التفسیر: مجلس تفسیر، کراچی جلد: ۹، شمارہ: ۲۰، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۲ء

کیا تاریخ سے کچھ سیکھا جا سکتا ہے؟

ڈاکٹر زاہد منیر عامر
پروفیسر و صدر نشین مسند ظفر علی خان
ادارہ علوم ابلاغیات، جامعہ پنجاب، لاہور

Abstract:

William James Durant (November 5, 1885 - November 7, 1981) and his wife Ariel Durant are famous for their voluminous book The Story of Civilization. While revising ten volumes of this marvelous work, they penned down their observations about the human history in a short book captioned The Lessons of History. In this work, they made note of events and comments that might illuminate the present affairs, future possibilities, the nature of man and the conduct of states. This review article deals with this book and its two Urdu translations published from Pakistan. The author has critically appreciated the original work as well as its translations. The prejudices and shortcomings of the original work and both the translations have also been discussed at length.

نامور امریکی دانشور ولیم جیمز ڈیورانٹ (۵ نومبر ۱۸۸۵م ..... ۷ نومبر ۱۹۸۱م) کا نام اُن کی معروف تصانیف Story of Civilization اور The Story of Philosophy کے حوالے سے دنیا بھر میں جانا جاتا ہے۔ ول

ڈیورانٹ کی کچھ تصانیف میں اُن کی شاگرد اور اہلیہ آریئل ڈیورانٹ (Ariel Durant ۱۰ مئی ۱۸۹۸م ..... ۲۵ اکتوبر ۱۹۸۱م) شریک مصنف کے طور پر شامل رہیں۔ خاص طور سے Story of Civilization (تاریخ تمدن) کی آخری پانچ جلدوں اور The Lessons of History[۲] کی تالیف میں۔

موخر الذکر کتاب دراصل مصنفین کے تاریخ تمدن کی دس جلدوں پر نظر ثانی کے دوران میں، تاریخ انسانی سے متعلق بصورت پذیر ہونے والے خیالات و افکار کا نتیجہ ہے جیسا کہ خود انھوں نے لکھا ہے کہ تاریخ تمدن کی دس جلدوں کے: ''مطالعہ کے دوران ہم ان وقوعات اور مشاہدات کو قلم بند کرتے رہے جن سے موجودہ دور کے حالات اور معاملات، نیز مستقبل کے امکانات کے علاوہ انسانی فطرت اور مملکتوں کے رویہ پر روشنی پڑ سکتی تھی''[۳]

ہمارے ہاں اس کتاب کے دو اردو تراجم اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ کراچی سے اس کتاب کا اُردو ترجمہ تاریخ کے سبق کے نام سے شائع ہوا اور دوسرا ترجمہ لاہور سے تاریخ کیا سکھاتی ہے کے نام سے شائع ہوا۔ ہم اس تحریر میں پہلے اس کتاب کے مضامین سے متعلق چند گزارشات پیش کریں گے اور پھر اس کے اردو تراجم پر۔

کتاب کا بنیادی مضمون جیسا کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے، یہ ہے کہ کیا تاریخ سے کچھ سیکھا جا سکتا ہے؟ اس سوال کے تناظر میں مصنفین کے تاریخ کے بارے میں شکوک و شبہات، تاریخ اور کرۂ ارض، تاریخ اور حیاتیات، تاریخ اور نسل، تاریخ اور کردار، تاریخ اور اخلاقیات، تاریخ اور مذہب، تاریخ اور معاشیات، تاریخ اور سوشلزم، تاریخ اور حکومت، تاریخ اور جنگ، وغیرہ موضوعات پر کلام کیا ہے۔

موجودہ دور کے تشتت، افتراق اور بے چینی کے پس منظر میں اکثر باشعور ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا انسان نے تاریخ کے اس طویل سفر کے بعد واقعی ترقی کی منازل طے کی ہیں یا وہ معکوس سمت میں محو سفر رہا ہے؟ مصنفین نے خاص طور سے اس موضوع پر تین ابواب میں زور قلم صرف کیا ہے: پہلا باب جس کا عنوان Hesitations رکھا گیا ہے، بارھواں باب Growth and Decay اور تیرھواں باب ?Is Progress Real۔ اس بحث میں مصنفین تسلیم کرتے ہیں کہ تاریخ سے متعلق انسانوں کا علم ناقص، ادھورا اور قیاسات پر مبنی ہے[۴] اور یہ کہ تاریخ کو کلی تناظر میں دیکھنے کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا اگر کوئی ایسا دعویٰ کرتا ہے تو اس کی حیثیت ایک فریب سے زیادہ نہیں ہے۔ انھیں اس بات کا بھی اعتراف ہے کہ صدیوں کی تاریخ کو چند سو صفحات میں بیان نہیں کیا جا سکتا[۵] لیکن اس سب کچھ کے باوجود تاریخ جیسی کچھ بھی لکھی جا سکتی ہے اور جیسی بھی لکھی جاتی ہے، خواہ جزوی طور سے ہی سہی عبرت و موعظت کے اعتبار سے اس کی بہرحال اہمیت ہے اور ہر دور کی تاریخ کا لکھا جانا اس کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

انسانوں کی ترقی سے متعلق سوال دراصل انسانی تمدن کی کہانی پر غور کرنے سے جنم لیتا ہے۔ مصنفین کے خیال میں آرٹ اور تمدن کی اصل روح بے نظمی کو نظم میں ڈھالنا ہے[۶] اس اعتبار سے تاریخ انسانی پر نظر ڈالی جائے تو ہمیں جا بجا بنی نوع انسان کی ناکامیوں کے مزار دکھائی دیتے ہیں۔ جیسا کہ مصنفین نے بارھویں باب میں اسی سوال کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے باعث نیکی میں کس قدر بدی سرایت کر گئی ہے، نیز ہمیں زندگی کی جو سہولتیں اور آسائشیں میسر ہیں، ان کی وجہ سے ہماری جسمانی قوت برداشت اور اخلاقی بنیادیں کمزور سی ہو گئی ہیں۔ ہم نے اپنی نقل پذیری کے وسائل کو ترقی تو دی ہے، لیکن ہم میں بعض لوگ انھیں جرائم کا ارتکاب کرنے یا اپنے ساتھ والوں کو یا خود ہمیں قتل کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔"[۱۰]

تاہم اس کے باوجود یہ حقیقت بھی ناقابلِ انکار ہے کہ انسان نے تمدن کی صورت پذیری کی ہے۔ مصنفین اگرچہ تاریخ کو تمدن کا کنٹرولر قرار دیتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ تمدن مرتا نہیں ہے[۱۱] یہاں ہمیں ان کے اسی زاویہ نظر میں تضاد کا گمان ہوتا ہے۔ تاہم یہ تضاد اس وقت توازن آشنا ہوتا دکھائی دینے لگتا ہے جب وہ یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ تمدن پر زوال آتا ہے[۱۱] اور یہ کہ تمدن پوری طرح تو نہیں مرتا البتہ اس پر دھیرے دھیرے زوال آتا ہے[۱۲]

مصنفین کا کہنا ہے کہ "نسل سے تمدن نہیں بنتا بلکہ تمدن سے قوم بنتی ہے" اپنی اس بات کی مثال دیتے ہوئے کہا ہے کہ "تمدن کی تعمیر میں ایک انگریز کا اتنا حصہ نہیں جتنا خود اس کو بنانے میں تمدن کا حصہ ہے"[۱۳] یہاں گویا وہ تمدن کو موروثی صفات کی سی ایک صفت قرار دے رہے ہیں لیکن ایک اور مقام پر تعلیم و تہذیب کے بحث میں انھوں نے اعتراف کیا ہے کہ "تمدن ورثہ میں نہیں ملتا"[۱۴]

تمدن سے قوم بننے کی بات بجا لیکن مصنفین غالباً یہ بات فراموش کر گئے ہیں کہ انقلابات کی طرح تمدن کے پس پردہ بھی اول اول ایک فرد ہی ہوتا ہے، اس لیے ہم شاید یہ نہیں کہہ سکتے کہ تمدن کی تشکیل میں فرد کا حصہ نہیں ہوتا۔ نہ صرف یہ کہ تمدن کی تشکیل میں فرد کا حصہ ہوتا ہے بلکہ تمدن کی بقا بھی افراد کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔

یہ تمدن ہی ہے جو تعلیم، سائنس، عدل اور توازن کی راہیں دکھاتا ہے اور یہی راہیں ہیں جنھیں دیکھ کر مصنفین اس مایوسی سے باہر نکلتے ہیں جو انسان کی ترقی کے حقیقی ہونے کے سوال سے پیدا ہوتی ہے۔ والٹیر Voltaire نے تاریخ کو "انسانوں کے جرائم، لغزشوں اور بدنصیبیوں کا مجموعہ" قرار دیا تھا[۱۵] اس کے مقابلے میں مصنفین کا یہ کہنا بہت خیال انگیز ہے:

(1) "Behind the red facade of war and politics, misfortune and poverty, adultery and divorce, murder and suicide, were millions of orderly homes, devoted marriages, men and women kindly and affectionate, troubled and happy with children."(16)

اس لیے یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ تاریخ ہی حضرت انسان کی سرگزشت نہیں ہے، اس داستان گفتہ کے مقابلے میں داستان ہائے گفتہ بھی انسان کی روداد یں تھیں اور ان کا گراف اس داستان گفتہ کے مقابلے میں کہیں زیادہ بلند ہوگا۔

اس لیے مصنفین کا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ لغزشوں بدنصیبیوں اور جرائم کے مقابلے میں انسانوں کی نیک طینتی کی تاریخ

لکھنے کی بھی ضرورت ہے۔

"Who will dare to write a history of human goodness." (17)

جس طرح تاریخ سے سیکھے جانے والے سبق کے حوالے سے مصنفین کے ہاں ایک متوازن زاویہ نظر کا سراغ ملتا ہے اسی طرح بعض دیگر مباحث میں بھی متوازن زاویہ نظر کی مثالیں دکھائی دیتی ہیں مثلاً انسانی زندگی میں انھوں نے جہاں بغاوت کی اہمیت اجاگر کی ہے وہاں روایت اور قدامت کو بھی نظرانداز نہیں کیا ہے۔ اسی طرح مشرق اور مغرب کے معاشی نظاموں کا موازنہ کرتے ہوئے تسلیم کیا ہے کہ نہ تو مکمل سرمایہ دارانہ نظام ہی انسانوں کے لیے پیام مسرت لاتا ہے اور نہ سوشلزم ہی ان کے لیے کلید کامیابی ہے، سوشلزم اور سرمایہ دارانہ نظام خواہ ایک دوسرے کے خوف سے ہی سہی بالآخر ایک معتدل نظام کی طرف بڑھیں گے۔

(2) "The fear of capitalism has compelled socialism to widen freedom, and the fear of socialism has compelled capitalism to increase equality. East is West and West is East, and soon the twain will meet." (18)

اسی انداز نظر کے ساتھ بعض مقامات پر مصنفین کے دوہرے معیاروں نے دلچسپ صورت حال پیدا کر دی ہے، مثلاً رابرٹ مالتھس (Thomas Robert Malthus 1766-1834) نے اٹھارویں صدی کے آخر میں دنیا کو آبادی کے "خطرے" سے ڈرایا تھا اس کا خیال تھا کہ اگر آبادی پر بندشیں عاید نہ کی گئیں تو وہ دن دور نہیں جب شرح اموات کے مقابلے میں شرح پیدائش میں اتنا زبردست اضافہ ہو جائے گا کہ کھانے والوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے مقابلے میں غذا کی پیداوار میں اضافے کی شرح صفر کے برابر رہ جائے گی۔[۱۹]

مصنفین تسلیم کرتے ہیں کہ انیسویں صدی ہی میں حقائق و واقعات نے مالتھس کے تصور کی نفی کر دی اور اس دور میں "انگلستان، امریکہ، جرمنی اور فرانس میں غذا کی رسد شرح پیدائش سے ہم آہنگ رہی۔"

"the food supply kept pace with birth." (20)

صرف یہی نہیں مصنفین اس حقیقت کا بھی انکار نہیں کرتے ہیں کہ شرح پیدائش بھی جنگ کی طرح ادیان و مذاہب کی قسمتوں کے لیے فیصلہ کن ثابت ہوئی ہے۔

So the birth rate, like war, may determine the fate of theologios. (21)

اور انھیں مسئلے کے حقیقی حل کا بھی اندازہ ہے جس کی طرف انھوں نے یوں اشارہ کیا ہے کہ اگر زراعت سے متعلق معلومات عام کر دی جائیں تو ہمارا یہی کرۂ ارض اپنی موجودہ آبادی سے دوچند باشندوں کو کھلانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

If existing agricultural knowledge were everywhere applied,

the planet could feed twice its present population. (22)

لیکن اس سب کچھ کے باوجود وہ انسان دوستی کے نام پر یہ کہتے ہیں کہ مانع حمل ادویات اور تدابیر اور ان سے متعلق معلومات کو نشر و اشاعت کے ذریعہ جگہ جگہ پہنچایا جائے۔

(3) It will be a counsel of humanity to disseminate the knowledge and means of contraception. (23)

مسئلے کی سنگینی سے انکار ممکن نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ انگلستان، امریکہ، جرمنی اور فرانس میں مسئلے کا جو حل سامنے آچکا ہے۔ دوسرے ممالک کے لیے بھی اسی راہ کو اختیار کرنے اور اسی سمت میں آگے بڑھنے کی تلقین کیوں نہیں؟ خواہ ایسا کسی ''اگر'' (If) سے وابستہ کر کے کہا جائے یا کسی "Until" سے، اس پر اہل یورپ و امریکا کے دوسری دنیا کے لیے دوہرے معیاروں کا گمان کیے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔

اپنے بہت سے ہم وطنوں کی طرح تاریخ کو ایک بڑے تناظر میں دیکھنے کے باوجود مسلمانوں اور اسلام کے بارے میں مصنفین کے تحفظات، ان کے تعصبات بن کر ابھرے بغیر نہیں رہ سکے ہیں، ان کے خیال میں یورپ و یونان ہی کی تاریخ، تاریخ عالم ہے۔ مسلمانوں کی روشن اور طویل تاریخ ان کے اس منظر نامے میں کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ اسلام اور مسلمانوں کا کہیں تذکرہ ہے بھی تو ایک سابق یا موجود خطرے کی حیثیت سے:

'سابق' کے لیے تو کتاب کے وہ مقامات ملاحظہ فرمائے جائیں جہاں ۷۳۲ء کی جنگ طورس (.Tours) کا تذکرہ ہے (تیسرا اور گیارہواں باب) فتح اندلس کے بعد پیش قدمی کرتے کرتے عرب، مغربی فرانس کے اس شہر تک پہنچ گئے تھے جہاں امیر اندلس السمح اور شاہ فرانس چارلس مارٹیل (Charles Martel) میں مقابلہ ہوا لیکن مسلمان کامیاب نہ ہو سکے۔ مصنفین، مسلمانوں کی اس شکست پر اظہار مسرت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"... Kept France and Spain from replacing the Bible with the Koran." (24)

مستقبل کے حوالے سے ابھرتے ہوئے مشرق کا تذکرہ مغرب کے لیے ایک خطرے کی سی حیثیت سے کیا گیا ہے۔

(4) "Menwhile the effort to meet the challenge of the rising East may reinvigorate the West. (25)

اسلام سے متعلق مصنفین کی لاعلمی یا تعصب کا بدترین مظہر وہ جملہ ہے جس میں انھوں نے قرآن کریم کے بیشتر حصے کو یہودیت سے ماخوذ قرار دے ڈالا ہے۔ ۲۶

یہ وہ مقام ہے جہاں آ کر مصنفین کی ساری غیر جانبداری، توازن اور دنیا کو معروضی زاویہ نظر سے دیکھنے کی مساعی ناکام ہو جاتی ہیں۔

قرآن کریم پر یہ اعتراض نیا نہیں اس کا آغاز ان جہلائے عرب سے ہوتا ہے جنھوں نے کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے شام کے تجارتی سفر میں راہب بحیرا سے ملاقات میں یہودی علوم سیکھ لیے تھے جنھیں وہ اب وحی والہام کہہ کر بیان کرتے ہیں اس پر مستزاد بعض آزاد شدہ غلاموں کے نام بھی لیے جاتے تھے جو اہل کتاب اور پڑھے لکھے تھے (مثلاً عداس یسار، جبر وغیرہ) کہ رسول اللہ ان سے یہودی علوم سیکھتے ہیں۔ دراں حالیکہ سفر شام کے وقت آپ کی عمر بارہ تیرہ برس تھی اور آزاد کردہ غلاموں سے کچھ سیکھ کر آگے بیان کر دینے کی بات محض ایک بچگانہ الزام ہے جس کی حقیقت پر مفسرین نے تفسیروں میں تفصیل سے کلام کیا ہے، فاضل مترجم نے بھی اس کتاب کے ضمیمے میں بہت سلیقے سے ان الزامات کی قلعی کھولی ہے۔ ہم اس جاہلانہ اور متعصبانہ رائے پر خود قرآن کریم کا جواب پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ حق بین نگاہوں کے لیے وہی کافی ووافی وشافی ہے۔

۱۔ وَ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ ھٰذَآ اِلَّآ اِفْکُ نِ افْتَرٰہُ وَ اَعَانَہٗ عَلَیْہِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝ وَ قَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اکْتَتَبَھَا فَھِیَ تُمْلٰی عَلَیْہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا ۝ قُلْ اَنْزَلَہُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّہٗ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝

اور کافر کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) من گھڑت باتیں ہیں جو اس (مدعی رسالت) نے بنالی ہیں اور لوگوں نے اس میں اس کی مدد کی ہے یہ لوگ (ایسا کہنے سے) ظلم اور جھوٹ پر (اتر) آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو اس نے جمع کر رکھا ہے اور وہ صبح و شام اس کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، کہہ دو کہ اس کو اس نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے، بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے'' ۲۷

۲۔ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّھُمْ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُہٗ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْہِ اَعْجَمِیٌّ وَّ ھٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ۝

اور ہمیں معلوم ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) کو ایک شخص سکھا جاتا ہے مگر جس کی طرف (تعلیم کی) نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے۔'' ۲۸

اب ہم اس کتاب کے اباواب صاحب کے کیے ہوئے ترجمے موسومہ تاریخ کا سبق سے متعلق اپنی گزارشات پیش کرتے ہیں:

کتاب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مترجم صاحب انگریزی سے اردو ترجمے کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں اور وہ اس کتاب سے پہلے انسان، اسلام اور مغربی مکاتب فکر (ڈاکٹر علی شریعتی) انتظام کاری کے اصول و مبادی (جنرل تھول) اسلامی عمرانیات۔ ایک تعارف (الیاس با یونس) وغیرہ اردو تراجم، اردو دنیا کے سامنے پیش کر چکے ہیں چنانچہ ان کے کیے ہوئے اس ترجمے کی زبان رواں اور مضمون پر گرفت مضبوط ہے۔ بعض مقامات پر عمدہ اور فنی اعتبار سے مکمل متبادلات ترجمے کے اعتبار میں اضافہ کر رہے ہیں مثلاً رافت و رحمت ۲۹ ذریات ۳۰ باقی ۳۱ اختبارات ۳۲ الملپ ۳۳ آذوقہ ۳۴ وغیرہ فاضل

مترجم نے Routene کا ترجمہ ''معمولاً'' کیا ہے ۳۵ وغیرہ یہ ایرانی فارسی کا لفظ ہے اردو میں ابھی یہ لفظ نامانوس ہے۔ اردو میں اس اظہار کے لیے ''عام طور سے'' کے الفاظ زیادہ مناسب معلوم ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب نے اس ترجمے کے تعارف میں لکھا ہے کہ ''باوہاب صاحب نے انگریزی متن کا لفظی ترجمہ کیا ہے..... میں نے انگریزی متن کے کئی صفحات کا اردو ترجمے سے مقابلہ کیا تو یہ بات واضح ہوئی کہ کتاب کی روح اردو ترجمے میں اچھی طرح در آئی ہے۔'' ۳۶

جہاں تک ڈاکٹر صاحب کی دوسری بات کا تعلق ہے تو اس میں کلام نہیں کہ کتاب کی اصل روح مترجم کی گرفت میں رہی ہے اور انھوں نے مصنفین کے مدعا کو عمدگی کے ساتھ اردو کے قارئین تک پہنچایا ہے۔ بلاشبہ یہ بڑی کامیابی ہے البتہ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ مترجم نے ''انگریزی متن کا لفظی ترجمہ کیا ہے'' ہمیں اس سے اتفاق نہیں، ہمارا اختلاف اس وجہ سے نہیں کہ محض لفظی ترجمہ بعض صورتوں میں بقول علامہ اقبال:

''ادبی اعتبار سے بے سود بلکہ مضر'' ہوتا ہے ۳۷ بلکہ جہاں تک ہم نے اس ترجمے کا ول ڈیورانٹ و ایریل ڈیورانٹ کی اصل کتاب The Lessons of History سے موازنہ کیا تو ہمیں نہ صرف یہ کہ یہ ترجمہ لفظی نہیں معلوم ہوا بلکہ بہت حد تک تشریحی اور توضیحی ترجمہ معلوم ہوا ہے اس حد تک، جہاں پہنچ کر ترجمے کی حدود ختم اور شرح و تفسیر کی حدود شروع ہو جاتی ہیں۔ چند مثالیں اس بات کو زیادہ بہتر طور سے واضح کر سکتی ہیں۔

ہم نے اپنی اس تحریر میں، کچھ پہلے تمدن کی بحث میں انگریزی متن کے صفحہ ۴۱ کا جو اقتباس پیش کیا ہے (انگریزی اقتباس نمبر ایک) قارئین کرام اس اقتباس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

جنگوں اور سیاسی واقعات، غربت و فلاکت، بدکاری اور طلاق نیز قتل اور خودکشی کی حکایتوں پر رنگ آمیزی کے جو پردے پڑے ہیں، اگر ان کے پیچھے نظر ڈالی جائے تو لاکھوں کروڑوں گھرانے ایسے ملیں گے جو امن و سکون کا گہوارہ رہے ہوں، ایسی شادیوں کا بیان ملے گا جن میں میاں بیوی وفا شعاری کے ساتھ ایک دوسرے پر جان دیتے ہوں۔ لوگوں کا باہمی سلوک محبت آمیز رہا ہو اور وہ ایک دوسرے کے لیے رافت و رحم کا مظاہرہ کرتے رہے ہوں نیز اپنے اہل و عیال کی خاطر تکلیفیں برداشت کرتے ہوئے خوش و خرم زندگی گزار دی ہو۔ ۳۸

اس اقتباس میں ''رنگ آمیزیوں کے پیچھے'' کی بجائے ''رنگ آمیزی کے جو پردے پڑے ہوئے ہیں اگر ان کے پیچھے نظر ڈالی جائے'' ''لاکھوں منظم یا پر امن خاندان'' کی بجائے ''لاکھوں کروڑوں گھرانے ایسے ملیں گے جو امن و سکون کا گہوارہ رہے ہوں'' ''کامیاب شادیوں اور وفا آشنا زن و شوہر کی بجائے'' ایسی شادیوں کا بیان ملے گا جن میں میاں بیوی وفا شعاری کے ساتھ ایک دوسرے پر جان دیتے ہوں''

وغیرہ کو کیا لفظی ترجمہ کہا جا سکتا ہے؟

انگریزی متن میں پانچویں باب کا آغاز اس طرح ہو رہا ہے:

(5) Society is founded not on the ideals but on the nature of man, and the constitution of man rewrites the constitutions of states. (39)

اردو ترجمہ:

کوئی بھی معاشرہ تصورات کی بنیاد پر نہیں بلکہ فطرت انسانی کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے اور انسان کی فطرت جیسی کچھ بھی ہوتی ہے وہی مملکتوں کے آئین و دساتیر کی تشکیل کرتی ہے'' ۳۹

اس اقتباس میں ''کوئی بھی'' اور ''جیسی کچھ بھی ہوتی ہے وہی'' کے ٹکڑے واضح طور پر ترجمے کے لفظی ترجمہ ہونے کے خیال کی تردید کر رہے ہیں اسی سلسلہ کلام میں آگے چل کر انگریزی متن میں ''بہت سوں کو'' کا اضافہ کیا گیا ہے اور اس جملے:

(6) But how far has human nature changed in the course of history." (41)

کا ترجمہ: ''لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بنی نوع انسان کی تاریخ میں انسان کی فطرت کتنی مرتبہ بدلتی رہی ہے'' ۴۰

اب اس ترجمے میں ''لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ'' ''کتنی مرتبہ'' اور ''رہی'' اسی طرح بعض مقامات پر ''کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ۴۱ قسم کے ٹکڑے متن پر اضافہ کیے گئے دکھائی دیتے ہیں، یہ تمام شواہد مترجم کی مہارت کے دلائل تو ہو سکتے ہیں لیکن ترجمے کے لفظی ہونے کے ہرگز نہیں۔

بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں شرح و توضیح کے اس عمومی رویے کے باوجود مصنفین کی بات واضح نہیں ہو سکی اور ترجمہ ابہام کا شکار ہو گیا ہے مثلاً:

(7) Would we rather have lived under the laws of the Athenian Republic or the Roman Empire than under Constitutions that give us habeas corpus, trial by jury, religious and intellectual freedom and the emanicipation of women? (44)

ترجمہ: ''کیا ہم یونان کی جمہوریتوں یا سلطنت روما کے قوانین کے تحت زندگی بسر کرنا پسند کریں گے بمقابلہ ان دساتیر و آئین کے جن کی بدولت ہمیں عدالت کا پروانہ یعنی ہے۔ بی آس کارپس جیوری کے تحت مقدمہ کی کارروائی، مذہبی اور ذہنی آزادی نیز خواتین کی آزادی جیسی نعمتیں میسر ہیں۔ ۴۳

بعض مقامات پر ترجمہ گنجلک ہو گیا ہے مثلاً:

(8) But if undertakers are miserable progress is real.(46)

کا ترجمہ: لیکن اگر تجہیز و تکفین کے منتظمین پریشانی میں مبتلا ہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ترقی حقیقی ہے۔ [۴۷]

بعض مقامات پر غیر ضروری تکلف سے ترجمے کا حسن متاثر ہوا ہے مثلاً: مترجم صاحب نے Saint کے لیے "سنت اور پیر قسم کے لوگ" [۴۸] کے الفاظ استعمال کیے ہیں اول تو انگریزی کے ہی لفظ کو اردو میں نامکمل لکھا گیا اور اس پر "پیر قسم کے لوگ" کا اپنی طرف سے اضافہ کیا گیا جب کہ اس کے لیے مذہبی لوگ یا مذہبی راہنما کی تراکیب بآسانی استعمال کی جا سکتی تھیں۔

بعض مقامات پر مترجم صاحب نے انگریزی اصطلاحات کے جو متبادل اختیار کیے ہیں ان کے لیے اپنے دلائل کی صراحت متن ہی میں ذرا خفیف قلم سے، کر دی گئی ہے مثلاً انھوں نے [۴۹] Humanism کا ترجمہ انسیات کیا ہے اور جس مقام پر یہ ترجمہ آیا ہے (ص ۴۶) وہاں متن ہی میں قوسین میں یہ عبارت بھی درج کر دی ہے (Humanism کا ترجمہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے بھی انسیات ہی کیا ہے) [۵۰]

اس ضمن میں گزارش ہے کہ:

(i) کسی ماقبل مترجم کے ترجمہ کو سند بنانے کی بجائے مترجم صاحب کو اس لفظ کے انتخاب کے لیے اپنے دلائل دینے چاہئیں۔

(ii) اس نوعیت کی وضاحتیں حاشیے یا مقدمے یا ضمیمے میں ہونی چاہئیں متن اس کے لیے ہرگز موزوں نہیں۔

(iii) تاریخ فلسفہ حاضر ڈاکٹر ویبر کی کتاب کا نہیں، اس کے اردو ترجمے کا نام ہے۔ اصل کتاب کا نام History of Philosophy ہے جو ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی تھی بعد ازاں اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ [۵۱]

مترجم نے حرف آغاز میں ول ڈیورانٹ کی متعدد کتابوں کے اردو تراجم اور مترجمین بلکہ ناشرین کا بھی ذکر کیا ہے لیکن ان کے حرف آغاز سے اور ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب کے تعارف سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ *The Lessons of History* کا بھی پہلے کوئی اردو ترجمہ ہوا ہے یا نہیں...... (شاید وہ اس سے باخبر نہیں ہیں)

جب کہ باوہاب صاحب سے پہلے بھی یہ کتاب اردو میں ترجمہ ہو چکی ہے، یہ ترجمہ ظفر الحسن پیرزادہ صاحب نے تاریخ کیا سکھاتی ہے کے عنوان سے کیا تھا جو باوہاب صاحب کے ترجمے سے چھ برس پہلے شائع ہو چکا تھا۔ [۵۲]

یہ بھی اپنے انداز کا ایک اچھا ترجمہ ہے، ہم نے جہاں تک اصل متن اور باوہاب صاحب کے ترجمے سے پیرزادہ صاحب کے کیے ہوئے اس ترجمے کا موازنہ کیا تو معلوم ہوا کہ باوہاب صاحب کے ترجمے کے عین برعکس یہ ترجمہ ہر ہر ورق پر ایجاز و اختصار کی خوبی لیے ہوئے ہے۔ وہی خوبی جو خود ول ڈیورانٹ کے اسلوب کا خاصہ ہے۔ مثالوں کے لیے نئے اقتباسات کا ڈھیر لگانے کی بجائے ہم خوانندگان کرام کی خدمت میں، ظفر الحسن پیرزادہ صاحب کے کیے ہوئے، انھی اقتباسات کے تراجم پیش کرتے ہیں جو وہ قبل ازیں باوہاب صاحب کے ترجمے کے ضمن میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

جن انگریزی اقتباسات کے ساتھ باوہاب صاحب کا ترجمہ پہلے درج نہیں کیا گیا ان کے ساتھ باوہاب صاحب کا ترجمہ بھی درج کیا جا رہا ہے تاکہ دونوں تراجم کے موازنے میں آسانی ہو سکے۔ یہاں انگریزی متن کے جن اقتباسات کے

ابتدائی الفاظ نقل کیے گئے ہیں وہ اقتباسات ہماری اسی تحریر میں پہلے درج کیے جا چکے ہیں۔ طوالت سے بچنے کے لیے ان کے ابتدائی الفاظ درج کیے جا رہے ہیں۔ سلسلہ نمبر وہی ہے جو پہلے منقول اقتباسات کے ساتھ درج ہے۔

(1) Behind the red facade. (53)

باوہاب:

جنگوں اور سیاسی واقعات، غربت و فلاکت، بدکاری اور طلاق نیز قتل اور خودکشی کی حکایتوں پر رنگ آمیزی کے جو پردے پڑے ہیں اگر ان کے پیچھے نظر ڈالی جائے تو لاکھوں کروڑوں گھرانے ایسے ملیں گے جو امن و سکون کا گہوارہ رہے ہوں، ایسی شادیوں کا بیان ملے گا جن میں میاں بیوی وفا شعاری کے ساتھ ایک دوسرے پر جان دیتے ہوں، لوگوں کا باہمی سلوک محبت آمیز رہا ہو اور وہ ایک دوسرے کے لیے رافت و رحم کا مظاہرہ کرتے رہے ہوں نیز اپنے اہل و عیال کی خاطر تکلیفیں برداشت کرتے ہوئے خوش و خرم زندگی گزار دی ہو۔ [۵۴]

پیرزادہ:

"جنگ اور سیاست، بدنصیبی و غربت، بدکاری اور طلاق، قتل اور خودکشی کے، تاریخ میں پیش کردہ، ہولناک مناظر کے پیچھے لاکھوں پرامن خاندان، وفا شعار زن و شوہر، مہربان و شفیق والدین اپنے بچوں کے دکھ سکھ سمیت موجود رہے تھے۔ [۵۵]

(2) The fear of capitalism........ (56)

باوہاب:

"اشتراکیت چونکہ سرمایہ داری سے خوف زدہ ہے لہٰذا وہ مجبور ہے کہ انفرادی آزادی کا دائرہ وسیع تر کر دے اور سرمایہ داری کو اشتراکیت کا خوف دامن گیر ہے لہٰذا وہ بھی مجبور ہے کہ معاشرہ میں زیادہ سے زیادہ عدل و مساوات کو رواج دے۔ سچ تو یہ ہے کہ مشرق مغرب بھی ہے اور مغرب مشرق بھی ہے۔ بس اس کا امکان ہے کہ دونوں بہت جلد باہمی اتحاد کے رشتہ میں منسلک ہو جائیں" [۵۷]

پیرزادہ:

"نظام سرمایہ داری کے خوف سے سوشل ازم لوگوں کو زیادہ آزادی دینے پر مجبور ہو گیا ہے جب کہ سوشل ازم کے ڈر سے سرمایہ داری نظام مساوات بڑھانے پر مجبور ہے۔ اب مشرق، مغرب بن گیا ہے اور مغرب مشرق میں بدل گیا ہے جلد ہی دونوں ایک ہو جائیں گے" [۵۸]

(3) It will be a counsel............(59)

باوہاب:

"انسان دوستی کا تقاضا یہی ہے کہ مانع حمل ادویات اور تدابیر اور ان سے متعلقہ معلومات

کو نشر و اشاعت کے ذریعے جگہ جگہ پہنچا دیا جائے"[۶۰]

پیرزادہ:

"آبادی میں اضافہ روکنے کے لیے ضبط تولید کی تعلیم اور اس کے ذرائع کی اشاعت انتہائی ضروری اور احسن کام ہے"[۶۱] (یہاں متن کی رو سے انتہائی ضروری اور احسن کام" کی بجائے "انسان دوستی کا تقاضا" زیادہ بہتر تھا)

(4) Menwhile the effort .... (62)

باوہاب:

"اس اثنا میں مشرق کے بڑھتے ہوئے چیلنج کے مقابلہ کی کوششیں مغرب میں نئی روح پھونک دیں"[۶۳]

پیرزادہ:

"اسی دوران ممکن ہے کہ ابھرتے ہوئے مشرق کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کی کوشش میں مغرب ایک بار پھر توانائی حاصل کرے"[۶۴]

Challenge of the rising East کا ترجمہ "مشرق کے بڑھتے ہوئے چیلنج" کی بجائے، ابھرتے ہوئے مشرق کے چیلنج ہی ہونا چاہیے تھا۔

(5) Society is founded not on the ......(65)

پیرزادہ:

"معاشرہ تخیلات کی بجائے انسانی فطرت کے مطابق استوار ہوتا ہے اور قومیں بھی انسانی فطرت وساخت کے مطابق ہی تشکیل پاتی ہیں"[۶۶]

(6) But how far has .... (67)

پیرزادہ:

"کیا تاریخ کے دھارے کے ساتھ انسانی فطرت میں کس حد تک تبدیلی آتی ہے"[۶۸]

(7) Would we rather have ...... (69)

پیرزادہ:

"کیا ہم ان دساتیر کے تحت رہنے کی بجائے جو ہمیں حبس بے جا کے خلاف قانونی کارروائی، جیوری کے ذریعے مقدمہ کی سماعت، مذہبی اور ذہنی آزادی اور خواتین کی آزادی جیسے حقوق عطا کرتے ہیں، یونانی جمہوریہ یا رومی سلطنت کے قوانین کے تحت رہنا پسند کریں گے"[۷۰]

(8) But if undertakers are ....(71)

پیرزادہ:

"لیکن اگر گورکن بدحال ہوں تو ہمیں تسلیم کر لینا چاہیے کہ حقیقتاً ترقی ہو رہی ہے"[۷۲]

مندرجہ بالا اقتباسات کے باہم موازنے سے دونوں مترجمین کے انداز و اسلوب کا فرق بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ اس موازنے سے نہ صرف ہمارے اس تجزیے کی تائید ہوتی ہے کہ پیرزادہ کا ترجمہ ایجاز و اختصار اور باوہاب کا ترجمہ اطناب و تفصیل کا نمونہ ہے وہاں باوہاب صاحب کے ترجمے کے دیگر محاسن و معائب بھی روشن ہو جاتے ہیں۔

انداز و اسلوب اور اختصار و تفصیل کے اس اختلاف سے قطع نظر ایک اور اہم بات دونوں مترجمین کو ایک دوسرے سے جدا کر رہی ہے: وہ یہ کہ پیرزادہ صاحب مصنفین سے اس قدر متاثر ہیں کہ ان کے خیال میں مصنفین کی "علمیت، بالغ نظری اور تحقیقی رویے سے صرفِ نظر کرنا ممکن نہیں" ہے[۷۳] جب کہ باوہاب صاحب نے زیر ترجمہ کتاب اور اس کے مصنفین کے رویوں کو تنقیدی نظر سے بھی دیکھا ہے۔ مصنفین نے اپنے دیباچے میں اس کتاب کو انسانی علم اور تجربے کا ایک جائزہ قرار دیا ہے[۷۴] جب کہ درحقیقت یہ صرف یورپ اور یونان کے علوم و تجربات کا جائزہ ہے جس میں اسلام، تاریخ اسلام اور مسلم مفکرین اور دنیا کے دیگر خطوں، مذہبوں اور مفکرین اور ان سب کی خدمات کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے چنانچہ باوہاب صاحب نے بجا طور سے اس دعوے پر گرفت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کتاب میں:

"انسانی تجربات کے بیشتر حصہ کی حد تک زمانی اور مکانی اعتبار سے بھی شاید دانستہ اغماض برتا گیا ہے۔"

مزید یہ کہ:

"تنوع کے اعتبار سے بھی یہ جائزہ ادھورا نامکمل غیر تشفی بخش نہیں بلکہ ناقص بھی ہے"[۷۵]

صرف یہی نہیں باوہاب صاحب نے کتاب کے آخر میں ایک ضمیمہ شامل کیا ہے جس میں مصنفین کے قابل گرفت خیالات پر بہت عمدگی سے گرفت کی گئی ہے خاص طور سے نزول قرآن کے حوالے سے مصنفین کی ہرزہ سرائی کا بہت عمدہ اور مفصل جواب فراہم کیا گیا ہے۔ جو قارئین اس کتاب کا مطالعہ کریں انھیں چاہیے کہ وہ اس کے ساتھ باوہاب صاحب کے اس ضمیمے کو بھی ضرور نظر میں رکھیں ضمیمے کے علاوہ اس ترجمے کی ایک خصوصیت "تشریحات وشخصیات" کے عنوان سے ایک باب کا اضافہ ہے جس میں، متن میں مذکور تلمیحات، اشارات اور شخصیات سے متعلق، ابواب کی ترتیب سے، تفصیلات فراہم کر دی گئی ہیں، آخر میں انگریزی متن کی طرح اشاریہ بھی شامل کیا گیا ہے جس سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔

اصل متن کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مصنفین نے جابجا استنادی حواشی کا اہتمام بھی کیا ہے، اگرچہ ان میں سے بیشتر حوالے خود History of Civilization کی مختلف جلدوں سے ماخوذ ہیں تاہم یہ حوالے ایسے نہیں ہیں جنھیں نظر انداز کر دیا جائے لیکن تعجب ہے کہ دونوں مترجمین نے ان استنادی حواشی کو کوئی اہمیت نہیں دی ہے، ان حواشی کو ترجمے میں درج نہ کرنے سے بہت سے اقتباسات اور منقول اقوال مجہول ہو کر رہ گئے ہیں۔ پیرزادہ صاحب کے ترجمے میں متن کے آخر میں ستائیس (۲۷)

حوالے دیے گئے ہیں جب کہ اصل متن میں تیرہ ابواب کے ۹۷ حوالے دیے گئے ہیں، دلچسپ بات یہ ہے کہ باوہاب صاحب نے مصنفین کی دی ہوئی وہ فہرست کتب (Guide to Books) تو اپنے ترجمے کے آخر میں شامل کی ہے جس میں حواشی میں استعمال ہونے والی کتابوں سے متعلق تفصیلات فراہم کی گئی ہیں جب کہ حواشی حذف کر دیے ہیں پیرزادہ صاحب نے کتابوں کی یہ فہرست بھی ترجمہ میں شامل نہیں کی۔

باوہاب صاحب کے ترجمے کی پروف خوانی بظاہر اہتمام سے کی گئی ہے، آخر میں رہ جانے والی اغلاط کی تصحیح کے لیے ایک اغلاط نامہ بھی لگایا گیا ہے لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ باوجود کوشش کے پھر بھی پروف کی اغلاط رہ جاتی ہیں، یہ اشاعت بھی اردو کتابوں کے اس معمولی سے مستثنیٰ نہیں ہے اور اس میں Ariel کا نام ہر جگہ Aricl کامیابیوں، کامیابیوں ۶ے آذوق، آزوق ۷ے حال، حال حال ۸ے اطوار، طوار ۹ے انکار، انکار ۸۰ے مجامعت، مجامت ۸۱ے بے زاری، بے زارگی ۸۲ے انکسار، انکساری ۸۳ے روزمرہ، روزمردہ ۸۳ے اطالیہ، اطالیہ ۸۴ے ق م، ق۔ق ۸۵ے المطلب، علی المطلب ۸۶ے مناقشات، مناقشات ۸۷ے فلبرٹ، فلبرٹ ۸۸ے لدادہ، والدادہ ۸۹ے ماتحی، ماتحی ۹۰ے سنہ، سن ۹۱ے ترقی، ترقی ۹۲ے برقرار، براقرار ۹۳ے Thirty، Thiry ۹۴ے بن گئے ہیں جیمز واٹ کے سنین ولادت و وفات بالترتیب ۱۷۳۶ء...... ۱۸۱۹ء، ۱۷۱۹ء ۹۵ لکھے گئے ہیں جن میں یقیناً کچھ تسامح ہوا ہے۔

آخر میں دو فنی گزارشات اور پھر خوانندگان کرام سے رخصت:

اول: کتاب تاریخ کا سبق میں ابواب کے اختتام پر جہاں جہاں کچھ جگہ بچ رہی تھی وہاں مترجم کی بعض دوسری کتابوں کے اشتہار شائع کر دیے گئے ہیں۔ یہ رسالوں کا طریق کار ہے کتابوں میں ایسا کرنے سے، کتاب کی زیبائی متاثر ہوتی ہے۔ دوم: کتاب کی جلد بندی کے لیے سلائی کی بجائے، کتاب کے اجزا کو پشت سے کاٹ کر گوند (Gum) سے جوڑا گیا ہے۔ ہماری جملہ ناشرین سے درخواست ہے کہ براہ کرم اس طریق تجلید کو اختیار نہ کیا جائے، اس سے کتاب، پہلے مطالعے کے دوران ہی ورق ورق ہو کر بکھر جاتی ہے۔

اس طویل گفتگو کے آخر میں اگرچہ "عرفی می توان گفتم تمنای جہانی را" کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے لیکن جو کچھ کہا گیا ہے اس کی بنیاد ذوق حضوری پر نہیں اظہار ضروری پر تھی۔

حوالے اور حواشی

۱۔ The Story of Civilization, Will Durant, New York: Simon and Schuster, 1942

۲۔ The Lessons of History, Will and Ariel Durant, New York: Simon and Schuster, Reproduced by National Book Foundation Pakistan 1988, P-8

۳۔ Ibid P-7

۴۔ تاریخ کا سبق از ول ڈیورانٹ، مترجم محمد بن علی باوہاب، کراچی یونائیٹڈ بک کارپوریشن دسمبر ۱۹۹۹ء
تاریخ کیا کہتی ہے مترجم ظفر الحسن پیرزادہ، لاہور، روہتاس بکس احمد چیمبرز ۵ ٹمپل روڈ جنوری ۱۹۹۰ء

۵۔ To begin with, do we really know what the past was, what actually happened, or is history "a fable" not quite "agreed upon"? Our knowledge of any past event is always incomplete, probably inaccurate, beclouded by ambivalent evidence and biased historians, and perhaps distorted by our own patriotic or religious partisanship. The Lessons of History, P-11,12

۶۔ Ibid P-13

۷۔ تاریخ کا سبق ص ۱۳۲ ۸۔ ایضاً ص ۱۱۹ ۹۔ ایضاً ص ۱۰۸

۱۰۔ ایضاً ص ۱۱۷ ۱۱۔ ایضاً ص ۴۸ ۱۲۔ ایضاً ص ۳۶

۱۳۔ ایضاً ص ۳۴ ۱۴۔ ایضاً ص ۱۸۷

۱۵۔ "A collection of the crimes, follies and misfortunes." The Age of Voltaire P.64 cf The Lessons of History, P-40,41

۱۶۔ The Lessons of History, P-41

۱۷۔ Ibid P-41

۱۸۔ Ibid P-67

۱۹۔ دیکھیے پروفیسر ڈاکٹر چوہدری عبدالقادر کی کتاب رابرٹ مالتھس اور اس کی تعلیمات لاہور، ادارۂ تالیف و ترجمہ پنجاب یونیورسٹی، جون ۱۹۸۳ء، باب دوم (آبادی کے اشاریہ کا تجزیہ) اور باب دہم (خاتمہ اور جائزہ)

۲۰۔ The Lessons of History, P-22

۲۱۔ Ibid P-23,24 ۲۲۔ Ibid P-22

۲۳۔ The Lessons of History, P-22

۲۴۔ Ibid P-24 ۲۵۔ Ibid P-100

۲۶۔ تاریخ کا سبق ص ۴۹ ۲۷۔ القرآن ۴:۹

۲۸۔ النحل ۱۰۳ ۲۹۔ تاریخ کا سبق ص ۳۸

۳۰۔ ایضاً ص ۱۲۶ ۳۱۔ ایضاً ص ۱۰

۳۲۔ ایضاً ص ۴۰ ۳۳۔ ایضاً ص ۵۷

۳۴۔ ایضاً ص ۴۰ ۳۵۔ ایضاً ص ۳۶، ۳۹، ۴۳

۳۶۔ ایضاً ص ۳ ۳۷۔ خطبات سید تسکین کاظمی لاہور، ستمبر ۱۹۲۸ء

۳۸۔ تاریخ کا سبق ص ۴۷، ۴۸ ۳۹۔ The Lessons of History, P-32

۴۰۔ تاریخ کا سبق ص ۳۹ ۴۱۔ The Lessons of History, P-32

۴۲۔ تاریخ کا سبق ص ۳۶ ۴۳۔ ایضاً ص ۴۷

۴۴۔ P-99The Lessons of History

۴۵۔ تاریخ کا سبق ص ۱۲۵ ۴۶۔ The Lessons of History, P-99

۴۷۔ تاریخ کا سبق، ص ۱۴۳ ۴۸۔ ایضاً، ص ۳۲ ۴۹۔ ایضاً، ص ۳۶

۵۰۔ ملاحظہ ہو History of Philosophy By; Alfred Weber کا ترجمہ تاریخ فلسفہ از ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، مطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالیہ حیدرآباد دکن، جو ۱۹۲۸ء میں شائع ہوا۔

۵۱۔ اصل کتاب فرانسیسی زبان میں ہے جس کا انگریزی ترجمہ Prof. Frank Thilly نے کیا اور ۱۹۰۸ء میں University of Strasburg سے شائع ہوا بعد ازاں بھی یہ کتاب متعدد بار شائع ہوئی۔ ایک حالیہ اشاعت ۲۰۱۲ء میں سامنے آئی ہے۔

۵۲۔ مطبوعہ لاہور جنوری ۱۹۹۰ء دیکھیے حوالہ نمبر ۲ ۵۳۔ The Lessons of History, P-41

۵۴۔ تاریخ کا سبق، ص ۲۷، ۲۸ ۵۵۔ تاریخ کیا سکھاتی ہے، ص ۳۵

۵۶۔ The Lessons of History, P-67

۵۷۔ تاریخ کا سبق، ص ۸۴ ۵۸۔ تاریخ کیا سکھاتی ہے، ص ۷۹

۵۹۔ The Lessons of History, P-22

۶۰۔ تاریخ کا سبق، ص ۳۲ ۶۱۔ تاریخ کیا سکھاتی ہے، ص ۴۳

۶۲۔ The Lessons of History, P-100

۶۳۔ تاریخ کا سبق، ص ۱۲۶ ۶۴۔ تاریخ کیا سکھاتی ہے، ص ۱۳۲

۶۵۔ The Lessons of History, P-32 ۶۶۔ تاریخ کیا سکھاتی ہے، ص ۳۷

۶۷۔ The Lessons of History, P-32

۶۸۔ تاریخ کیا سکھاتی ہے، ص ۳۷

۶۹۔ The Lessons of History, P-99

۷۰۔ تاریخ کیا سکھاتی ہے، ص ۱۳۱

۷۱۔ The Lessons of History, P-99

۷۲۔ تاریخ کیا سکھاتی ہے، ص ۱۳۰ ۷۳۔ ایضاً، ص ۹

۷۴۔ تاریخ کا سبق، ص ۷ ۷۵۔ ایضاً، ص ۹

۷۶۔ ایضاً، ص ۱۹ ۷۷۔ ایضاً، ص ۳۱

۷۸۔ ایضاً، ص ۳۳ ۷۹۔ ایضاً، ص ۳۵

۸۰۔ ایضاً، ص ۳۸ ۸۱۔ ایضاً، ص ۳۸

۸۲۔ ایضاً، ص ۳۸ ۸۳۔ ایضاً، ص ۳۸

۸۴۔ ایضاً، ص ۳۹ ۸۵۔ ایضاً، ص ۳۹

۸۶۔ ایضاً، ص ۵۶ ۸۷۔ ایضاً، ص ۵۲

۸۸۔ ایضاً، ص ۱۶۰ ۸۹۔ ایضاً، ص ۲۰۵

۹۰۔ ایضاً، ص ۲۰۶ ۹۱۔ ایضاً، ص ۱۶۱

۹۲۔ ایضاً، ص ۷۲ ۹۳۔ ایضاً، ص ۷۳

۹۴۔ ایضاً، ص ۱۵۸ ۹۵۔ ایضاً، ص ۱۵۳

التفسیر: مجلس تفسیر، کراچی جلد ۲، شمارہ ۲۰، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۲ء

مسلم عیسائی تعلقات کا تحقیقی جائزہ

(خصوصاً پاکستان کے تناظر میں)

حافظ عقیل احمد، اسسٹنٹ پروفیسر
گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج خانیوال

ABSTRACT:

The history of the world is the evidence of phenomenon that Islam attained remarkable popularity at international level. The chiefest reason of that popularity was the attitude that the Muslims maintained with the people of other religions on the basis of equality. Islam is a complete code of life. In order to practice this particular code of life, the establishment of free, sovereign and powerful state is integral. In modern era, Pakistan was achieved to materialize the very state. From the inception of independence, the people of Pakistan have been rendering exemplary attitude with the people of other religions in general and with The Christians in particular. It is because Christianity is closer to Islam in respect of beliefs and chronological perspectives as compared to other religions. Many valid examples have been quoted in preceding pages to justify the hypothesis of this article. This research article highlights different aspects of Islam which envisage sacred

and practicable teachings and these appear as evidence, that in different periods of history, Pakistan has been an abode where the Christians always lived with the Muslims in harmony and pace.

اسلام ایک عالمگیر دین ہے اور اس قدر وسعت کا حامل ہے کہ رنگ، نسل، زبان اور علاقہ کی بنیاد پر انسانوں میں تفریق نہیں کرتا اس لئے اسلام بحیثیت انسان مسلمانوں اور غیر مسلموں میں کسی قسم کا فرق روا نہیں رکھتا اور نہ ہی کسی قسم کی نفرت اور تعصب کا اظہار کرتا ہے۔ مگر عقیدے کی بنیاد پر ایک مسلمان کسی منکر اور مشرک و کافر سے جدا ہو جاتا ہے اور بنی نوع انسان دو الگ الگ گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں یعنی ملت اسلامیہ اور ملت کفر لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انسان ایک معاشرے کا فرد بھی ہے اور اس کی معاشرت و معاملات کا انداز ایسا ہے کہ کاروبار زندگی اور معاملات میں قطع تعلق کرنا ناممکن ہے۔

تاریخ اسلام اس بات پر شاہد ہے کہ اسلام کو جو عالمی سطح پر مقبولیت عام کا شرف حاصل ہوا اس کی سب سے بڑی وجہ مسلمانوں کا غیر مسلم مذاہب سے مساویانہ حسن سلوک تھا اسلامی حکومت کے قوانین میں غیر مسلم رعایا کو اہل ذمہ کے معزز خطاب سے نوازا جاتا ہے جس کے معنی ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ہر قسم کی حفاظت کی ذمہ داری اسلامی ریاست پر ہے۔ مذاہب عالم کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ دیگر الہامی و غیر الہامی مذاہب کے برعکس درج ذیل وجوہات کی بنا پر عیسائیت نسبتاً اسلام کے زیادہ قریب ہے۔

(1) حضرت عیسیٰؑ کے بعد حضور ﷺ کی بعثت ہوئی گویا حضور ﷺ کی بعثت تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت عین الہامی اور اسلامی تھی۔

(2) آپ ﷺ اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ شام کے سفر پر گئے جب آپ ﷺ بصرہ شہر کے قریب پہنچے تو وہاں ایک نصرانی راہب تھا جس کا نام جرجیس تھا اور بحیرہ راہب کے نام سے مشہور تھا اور نبی آخر الزمان کی جو علامتیں آسمانی کتابوں میں مذکور تھیں ان سے واقف اور باخبر تھا اس لئے اس نے حضور ﷺ پرنور کی صورت دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ وہی نبی ہیں کہ جن کی کتب سابقہ میں خبر دی گئی ہے۔(1)

(3) پہلی وحی کے موقع پر جب آپ ﷺ غار حرا میں فرشتے سے پہلی ملاقات کے بعد غیر معمولی حالت میں گھر تشریف لائے تو حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کو تسلی دی پھر وہ آپ ﷺ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں وہ زمانہ جاہلیت میں حقیقی دین مسیح علیہ السلام کے پیروکار تھے۔ حضرت خدیجہؓ نے ان سے کہا'' بھائی جان ذرا اپنے بھتیجے کا قصہ سنیئے'' ورقہ نے حضور ﷺ سے کہا'' بھتیجے تم نے کیا دیکھا آپ ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا بیان کیا ورقہ نے کہا یہ وہی ناموس (وحی لانے والا فرشتہ) ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا کاش میں آپ ﷺ کے زمانہ نبوت میں قوی ہوتا۔ کاش میں اس وقت زندہ رہوں جب آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو نکالے گی۔''

آپ ﷺ نے فرمایا'' کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے'' ورقہ نے کہا'' ہاں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی شخص وہ چیز لے کر آیا ہو جو آپ ﷺ لائے ہیں اور اس سے دشمنی نہ کی گئی ہو۔ اگر میں نے آپ ﷺ کا وہ زمانہ پایا تو میں آپ ﷺ کی پرزور مدد کروں گا مگر زیادہ مدت نہ گزری کہ ورقہ کا انتقال ہو گیا۔(2)

گویا کہ آپ ﷺ کے نبی ہونے کی تصدیق بھی سب سے پہلے ایک حقیقی پیروِ مسیح ہی نے کی۔

(4) آنحضور ﷺ کے دل میں عیسائیت اور عیسائیوں کے بارے میں سب سے زیادہ جذبات ہمدردی موجود تھے۔

ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ سات سال کے تھے کہ آپ ﷺ کی آنکھوں میں کوئی تکلیف پیدا ہوئی اس وقت مکہ طب کا مرکز تھا لیکن اس کے باوجود مکہ کی طبی امداد آپ ﷺ کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکی۔ آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب آپ ﷺ کو ایک عیسائی راہب کے پاس لے گئے جو عکاظ کے قریب ایک خانقاہ میں رہتا تھا اس عیسائی ڈاکٹر کے علاج سے آپ ﷺ کو صحت ہو گئی۔(3)

(5) حضور ﷺ کی مکی زندگی کے دوران ایران اور روم کی جنگ میں مسلمانوں کی ہمدردی دلی طور پر عیسائیوں کے ساتھ تھی جس کی طرف واضح اشارہ سورۃ روم میں موجود ہے۔

غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین لله الامر من قبل ومن بعد ویومئذ یفرح المؤمنونo(4)

'' رومی قریب کی سرزمین میں مغلوب ہو گئے ہیں اور اپنی اس مغلوبیت کے چند سال کے اندر وہ غالب ہو جائیں گے۔ اللہ ہی کا اختیار ہے پہلے بھی بعد میں بھی اور وہ دن وہ ہو گا جبکہ اللہ کی بخشی ہوئی فتح پر مسلمان خوشیاں منائیں گے۔''

(6) مسلمانوں نے یکے بعد دیگرے دو مرتبہ عیسائی سلطنت میں ہجرت کی جب مکہ میں حالات ناقابل برداشت ہو گئے تو آپ ﷺ نے مظلوم صحابہؓ کو مشورہ دیا کہ وہ ہجرت کر کے حبشہ چلے جائیں اور فرمایا حبشہ چلے جاؤ اس ملک میں ایک ایسا بادشاہ حکمران ہے جو کسی پر ظلم نہیں کرتا یہ سچائی کی سرزمین ہے وہاں اس وقت تک رہو جب تک خدا تمہارے لئے اس عذاب سے بچنے کی کوئی صورت پیدا کرے جس میں تم مبتلا ہو۔(5)

یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے حبشہ سے متعلق یہ پالیسی متعین فرما دی تھی۔ دعو الحبشہ ما دعوکمo دوسری روایت کے الفاظ ہیں اترکو الحبشہ ماترکوکم یعنی حبشہ کے لوگ جب تک تمہیں چھوڑے رکھیں تم بھی انہیں چھوڑے رکھو۔

(6)

(7) آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ سے فارغ ہونے کے بعد جو خطوط اطراف و نواح کے بادشاہوں کو بھیجے آپ ﷺ کے ان خطوط کا قیصر اور شاہ مقوقس نے بڑا احترام کیا جبکہ مجوسی مشرکوں نے آپ ﷺ کا نامہ مبارک چاک کر دیا۔

(8) حضور ﷺ کے زمانے میں اگرچہ موتہ اور تبوک کے مقامات پر مسلم اور عیسائی فوجوں کا آمنا سامنا رہا لیکن جس قدر

شدید جنگیں مشرکین مکہ بدر، احد، خندق اور یہود کے ساتھ (خیبر) ہوئیں عیسائیوں کے ساتھ ایسی کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

(9) جزیرۃ العرب میں اسلام پھیلنے کے بعد آپ ﷺ نے جو سب سے پہلا معاہدہ کیا وہ نجران کے عیسائیوں کے ساتھ کیا تھا۔ اسکے علاوہ جب وفد نجران آپ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے انہیں مسجد نبوی ﷺ میں نہ صرف ٹھہرایا بلکہ انہیں انکے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت بھی دی۔ آپ ﷺ کی عیسائیوں کے ساتھ محبت کا اندازہ اس بات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس وفد کی خدمت کی ذمہ داری خود قبول کی۔ (7)

ان مختلف واقعات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ کے دل میں مسیح اور مسیحیوں کے ساتھ کتنی ہمدردی تھی۔ حالانکہ آپ ﷺ نے انکے عقائد و مراسم کی مخالفت کی (جنہیں آپ ﷺ بعد کا اضافہ سمجھتے تھے) اور یہ فرماتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ان باتوں کی تعلیم نہیں دی۔

(10) خلافت راشدہ میں اگرچہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان شدید جنگی سلسلہ شروع ہو گیا تھا لیکن خلافت راشدہ کو ختم کرنے میں جو مکروہ اور قابل مذمت کردار یہود کا ہے اس میں عیسائی نمایاں طور پر ملوث نظر نہیں آتے۔ مثلاً

(i) حضرت عمرؓ کا قاتل مجوسی تھا۔

(ii) حضرت عثمانؓ کے قتل کی سازش کرنے والا عبداللہ ابن سبا یہودی تھا۔

ان تاریخی حقائق کی بناء پر یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ عیسائیت اور ہمارے (مسلمانوں) کے درمیان کفر و اسلام جتنا فرق ہونے کے باوجود یہود اور مشرکین جیسی دشمنی نہیں پائی جاتی۔

درج بالا دلائل پر قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات دلالت کرتی ہیں۔

لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین امنوا الیھود والذین اشرکوا ولتجدن اقربھم مودۃ للذین امنوا الذین قالوا انا نصری ذلک بان منھم قسیسین ورھبانا و انھم لا یستکبرونo واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق یقولون ربنا امنا فاکتبنا مع الشھدینo(8)

''تم تمام لوگوں میں مسلمانوں کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے اور از روئے دوستی کے مسلمانوں کے سب سے زیادہ قریب ان لوگوں کو پاؤ گے جو کہتے ہیں ہم عیسائی ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان میں قسیسین اور رہبان ہیں اور وہ لوگ تکبر نہیں کرتے اور جب اس کو سنتے ہیں جو رسولؐ پر اتارا گیا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ خداوند ہم ایمان لائے اس لئے ہم کو شہادت دینے والوں میں لکھ۔''

ان قرآنی آیات سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہود و مشرکین کی شدید ترین مذمت کی گئی ہے جبکہ عیسائیت کی

قرآنی مذمت میں وہ جاہ و جلال اور اسلوب کی شدت نہیں۔

عیسائیوں کے ایک گروہ کو مسلمانوں کیلئے بطور اعلیٰ مثال پیش کیا گیا ہے۔

اصحاب کہف:

عیسائیت کی تاریخ میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کی تعریف کی ہے یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے پیروکار تھے انکے بارے میں فرمایا:

انھم فتیۃ امنوا بربھم وزدنھم ھدیo(9)

''یہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان رکھتے تھے ہم نے انکی ہدایت میں اور اضافہ کر دیا۔''

سورہ کہف کے اس پورے رکوع میں ان نوجوانوں کو مسلمانوں کیلئے بطور مثال پیش کیا گیا۔

قرآن حکیم نے حواریان مسیح کی نہ صرف تعریف کی ہے بلکہ مسلمانوں کو ان جیسا طرز عمل اپنانے کا حکم دیا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

یا یھا الذین امنوا کونوا انصار اللہ کما قال عیسی ابن مریم للحواریین من انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہo(10)

''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یہ سچے حواری ایمان میں اتنے مخلص اور سچے تھے کہ صحابہؓ کو انکی پیروی کا حکم دیا۔''

حضور ﷺ کی ولادت سے قبل یمن کے مشرک بادشاہ ذوالنواس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے پیروکاروں کو آگ میں زندہ جلا دیا تھا لیکن وہ اپنے ایمان سے دستبردار نہ ہوئے قرآن کریم کا انکے متعلق ارشاد ہے:

قتل اصحب الاخدودo النار ذات الوقودo اذھم علیھا قعودo وھم علی مایفعلون بالمؤمنین شھودo(11)

درج بالا قرآنی آیات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سچے پیروکاروں کے ایمان اور استقامت کا اتنا واضح روشن اور ٹھوس ثبوت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے قیامت تک قرآن پاک میں محفوظ کر لیا۔

پاکستان کے مسلمانوں کا عیسائیوں سے تعلقات کا بنیادی مقصد خالصتاً بنی نوع انسان کی بہتری، امن کا قیام، ظلم کا خاتمہ اسلام کی رہنمائی میں لوگوں کی معاشی، سیاسی، معاشرتی اور مذہبی حقوق کی حفاظت ہے اس لئے پاکستانی حکومت اور عوام قومی اور بین الاقوامی تعلقات کو بروئے کار لاتی ہے چنانچہ قیام پاکستان سے لیکر آج تک چونسٹھ سال کے اندر کسی ایک عیسائی کے ساتھ پاکستان میں وہ سلوک نہیں کیا گیا جو صلیبیوں کے بیت المقدس پر قبضے، اندلس میں مسلمانوں کے انخلاء اور متحدہ ہندوستان میں برطانوی راج کے دوران مسلمانوں کے ساتھ کیا گیا تھا۔ عیسائی مقبوضات میں مسلمانوں کا قتل عام، انہیں زندہ جلانا، انکی کتابوں کو جلانا اور سخت اذیتیں دے کر انہیں موت کے گھاٹ اتارنا، تاریخ میں مسلمانوں کے ساتھ عیسائیوں کے یہ رویے بھی رہے ہیں۔ لیکن اس کے

برعکس پاکستان میں عیسائی برادری کو ہمیشہ سے آئینی اور دستوری سطح سے لیکر عملی اور معاشرتی سطح تک تمام بنیادی انسانی حقوق ایک تاریخی تسلسل کے ساتھ انہیں حاصل رہے ہیں جس کا اعتراف خود عیسائی برادری کو بھی ہے۔ ایک عیسائی انتھونی ڈی سوزا پاکستانی عیسائیوں کے بارے میں ان الفاظ میں روشنی ڈالتا ہے۔ خاص طور پر کیتھولک عیسائیوں کے لئے ایک مسرت بخش چیز یہ ہے کہ مذہبی جلوسوں اور عبادتوں میں شبیہوں کے استعمال میں رواداری کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ کیونکہ شبیہ کا استعمال اسلامی نظریات کے بالکل خلاف ہے اور یہ کیتھولک فرقے میں جزولاینفک ہے۔ پاکستان مذہبی آزادی کا قابل ذکر مظاہرہ کرتا ہے اور ان بتوں کے استعمال پر کوئی پابندی نہیں۔(12)

ان تحفظات کے زیر سایہ پاکستان میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے خصوصی خوشگوار تعلقات کا بیان درج ذیل ہے۔

مذہبی تعلقات

مسلمان اور مذہبی رواداری:

ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل اور تمیز دی ہے پھر اس نے وحی کے ذریعے اس کو درست زاویہ نظر اختیار کرنے کی طرف راہنمائی بھی کر دی ہے اس لئے ہر شخص کو اس بات کی آزادی ہے کہ وہ صراط مستقیم پر چلتا رہے یا غلط عقیدہ قائم کر کے اپنی زندگی گزارے بہرحال اس دنیا میں اسے کوئی نظریہ یا عقیدہ قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

پاکستانی حکومت اور عوام کی طرف سے یہ رواداری کی روشن مثال ہے کہ کبھی بھی مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان دین کے معاملے میں زبردستی اور جبر کا واقعہ پیش نہیں آیا۔ چنانچہ ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان میں مذہبی سطح پر مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان خوشگوار مذہبی تعلقات قائم ہیں اور یہ اسلام کی طرف سے احترام مذہب و آزادی عبادت کی اعلیٰ مثال ہے۔

مذہبی عبادت گاہوں کا احترام:

قرآن حکیم میں مذہبی عبادت گاہوں کے احترام میں ایک ایسا اشارہ بھی ملتا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبادت گاہیں خواہ مسلمانوں کی ہوں یا غیر مسلموں کی سب کی سب یکساں محترم ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع وصلوات و مساجد يذكر فيه اسم الله كثيرا o(13)

"اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کا زور ایک دوسرے کے ذریعے نہ گھٹاتا رہتا تو گرجے کنائس، عبادت خانے اور مساجد جن میں اللہ کا ذکر کثرت سے ہوتا ہے منہدم ہو گئے ہوتے۔"

مندرجہ بالا بیانات کی عملی شکل پاکستانی مسلمانوں اور عیسائیوں میں پوری طرح دکھائی دیتی ہے۔ مثلاً تمام مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دلی طور پر احترام کرتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کا سچا رسول مانتے ہیں اور جو انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اسے برحق کتاب سمجھتے ہیں صداقت کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ ؑ اور حضور ﷺ میں کوئی فرق روا نہیں رکھتے اس کے برعکس اگرچہ عیسائی حضور ﷺ اور قرآن کا انکار کرتے ہیں۔ لیکن پاکستان میں عموماً عیسائی برادری شعائر اسلام کا احترام کرتی

ہے۔ اذان، نماز، مسجد، رمضان، ایام حج، قرآن پاک اور حضور ﷺ کے متعلق بظاہر احترام کا رویہ رکھتے ہیں۔ اگر کوئی عیسائی اسلام یا پیغمبر اسلام کے خلاف کوئی گستاخی کرتا ہے تو وہ اس کا ذاتی فعل ہے اس طرح مسلمان بھی کرسمس اور ایسٹر کے موقعوں پر عیسائیوں کی مذہبی تقریبات اور ان کی ہفتہ وار اتوار کے دن ہونے والی سروسز جو گرجوں میں منعقد ہوتی ہیں ان کا احترام کرتے ہیں۔

اگرچہ اسلام اور عیسائیت میں کفر و ایمان کا فرق ہے۔ تاہم انسانی اور اخلاقی اقدار کی بناء پر پاکستانی مسلمانوں اور عیسائیوں میں خوشگوار تعلقات قائم ہیں اور یہ تعلقات اسلامی بنیادوں پر نہ سہی اخلاقی انسانی اور پاکستانی ناطوں سے قائم ہیں۔

سیاسی تعلقات:

پاکستان میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان تعمیری اور اچھے سیاسی تعلقات موجود ہیں۔ اسکی بہترین مثال یہ ہے کہ آئین کی رو سے دونوں پاکستان کے شہری ہیں۔ عیسائیوں کیلئے یونین کونسل سے لیکر قومی اسمبلی تک الگ نشستیں مخصوص ہیں۔ مسلمانوں کے برعکس عیسائیوں کو دوہرے ووٹ کا حق حاصل رہا ہے۔

27 فروری 1996ء کو بے نظیر حکومت نے انتخابی اصلاحات کا ایک پیکج تجویز کیا جس کے کئی پہلو تھے۔ ان میں سے ایک پہلو غیر مسلم پاکستانیوں کے لئے دوہرے ووٹ کا حق دیا گیا تھا۔ بے نظیر اور ان کے حواریوں کا موقف ہے کہ دوہرے ووٹ کی تجویز اس لئے پیش کی گئی تھی کہ پاکستان میں بسنے والے غیر مسلم شہری جداگانہ انتخابات کے طریقہ کار کی بدولت ملکی سیاست کے مرکزی دھارے سے کاٹ دیئے گئے تھے اور یہ جداگانہ طریقہ کار ایک فوجی آمر نے زبردستی ان پر ٹھونس دیا تھا۔ جو غیر جمہوری اور غیر آئینی تھا لہٰذا جمہوری قدروں کی پاسداری اور دستور پاکستان 1973ء کی اصل روح کے مطابق غیر مسلم پاکستانیوں کو ملکی سیاست کے مرکزی دھارے میں لانا ناگزیر تھا اور حکومت کا یہ عمل بابائے قوم حضرت قائداعظم کے اس وعدے کی تکمیل ہے جو انہوں نے اپنی 11 اگست 1947ء والی تقریر میں کیا تھا کہ کسی بھی پاکستانی شہری سے مذہبی بنیادوں پر تعصب نہیں برتا جائے گا۔ جداگانہ انتخابات دراصل قائد کے اس وعدے سے انحراف ہے۔ چنانچہ اگلی جمہوری حکومت دوہرے ووٹ کا حق دے کر غیر مسلم پاکستانیوں کے لئے مثبت تعصب کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ بے نظیر حکومت کے اس اقدام کو غیر مسلم پاکستانیوں کی اکثریت نے بے حد سراہا ہے۔(14)

یہ وہ تمام حقائق ہیں جنہیں آئینی اور دستوری تحفظات حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ ریاست پاکستان میں انہیں عملی طور پر بھی دیکھا جا سکتا ہے اور عالمی برادری بھی اس پر پاکستانی حکومت اور عوام کی تعریف و تائید کرتی ہے پاکستان میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے خوشگوار تعلقات کی عملی مثال عیسائی اقلیت کے نمائندوں کا مختلف وزارتوں میں ان کے تقرر سے ظاہر ہوتا ہے۔

جنکی چند مثالیں درج ذیل ہیں:۔

(1) جے سالک وفاقی وزیر برائے اقلیتی امور رہے ہیں۔

(2) جناب جانسن مائیکل پنجاب اسمبلی کے اقلیتی رکن اور وزیراعلیٰ پنجاب کے مشیر رہے ہیں۔

(3) اے۔آر۔کارنیلیس سابق چیف جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان

(4) جناب بشیر مسیح ڈپٹی سپیکر بلوچستان اسمبلی رہے ہیں۔

(5) ایم۔ایل۔شاہانی ایڈووکیٹ جنرل سندھ کے عہدے پر فائز رہے ہیں۔

(6) پیٹر جان سہوترا سابق وفاقی وزیر رہے ہیں۔

(7) جولین پیٹر پاکستان آرمی کے پہلے مسیحی جنرل رہے ہیں۔

پاکستان میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان باہمی خوشگوار سیاسی تعلقات پر مبنی ایک ایسا صحت مند سیاسی کلچر پاکستان میں موجود ہے کہ جس کی مثال عیسائی اقلیت کو دنیا میں بہت کم ملے گی۔ اگرچہ انڈیا میں جارج فرینڈس عیسائی وزیر دفاع مقرر ہوا لیکن اس کے باوجود ہندوستان میں گرجوں کو گرانے اور عیسائیوں کو زندہ جلانے جیسے انسانیت سوز واقعات بھی ہوتے رہے ہیں۔ اس کے برعکس پینسٹھ سال میں پاکستان میں مسلم عیسائی سیاسی کشیدگی کی ایسی خوفناک مثالیں پیش نہیں کی جاسکتیں۔

1996ء میں ضلع خانیوال کے شانتی نگر میں عیسائی مسلم فساد کی اصل وجہ مذہبی نہیں بلکہ قانونی تھی بعض جرائم پیشہ افراد نے اقلیت ہونے کے ناطے قانونی مراعات کا غلط استعمال کیا اس طرح کے ماحول میں جذباتی انداز میں اسے مذہبی رنگ دے دیا گیا۔ تحقیقات کے بعد ریکارڈ پر یہ حقیقت موجود ہے کہ بعض شدت پسند دونوں طرف موجود تھے انہوں نے روایتی مذہبی اور جذباتی ہیجان انگیز کیفیت پیدا کردی۔ تاہم تقریباً سترہ سال گزرنے کے باوجود وہاں کے حالات مثالی پُرامن چلے آرہے ہیں اس قسم کے وقتی اور عارضی واقعات کا رونما ہونا افسوسناک تو ہوسکتا ہے لیکن اس کا اعادہ نہ ہونا اس سے بھی مسلم عیسائی صحت مند تعلقات کی عکاسی ہوتی ہے۔ انہی دنوں کچھ عرصہ بعد بہاولپور اور مری کے گرجا گھر میں بم پھینکنے کے واقعات رونما ہوئے لیکن ان تمام مجرموں کو گرفتار کیا گیا اور انہیں کیفرِ کردار تک پہنچادیا گیا۔ پاکستان میں بم پھٹنے کے واقعات اگر مساجد میں ہوں تو ان کی تحقیق و تفتیش کی رفتار سے کہیں زیادہ تیزی اور سرعت کے ساتھ اقلیتوں کی عبادت گاہوں کے تحفظ کیلئے اقدامات کئے جاتے ہیں۔ تاکہ اقلیتوں میں عدم تحفظ اور غیر یقینی کے احساسات پیدا نہ ہوں۔ ایک اور مثبت اور مثالی پہلو ان واقعات کے نتائج کے حوالے سے یہ ہے کہ متاثرہ عبادت گاہوں مکانات اور علاقوں کی فوری اور بہتر تعمیر نو کو عملاً مکمل کیا جاتا ہے۔

مثلاً شانتی نگر کی پکی عیسائی آبادی کو مالکانہ بنیاد پر پختہ مکانات تعمیر کر کے دیئے گئے۔ وہاں زندگی کی بنیادی سہولیات بھی مہیا کی گئیں۔ اسی طرح بہاولپور اور مری میں ہونے والے جانی اور مالی نقصانات کی ممکنہ تلافی کی گئی اور آئندہ ایسے واقعات کی روک تھام کیلئے پورے ملک میں عیسائی آبادی اور اُنکے مراکز عبادت کی سیکورٹی اور زیادہ سخت کردی گئی۔ اسکے برعکس ہمسایہ ملک بھارت میں پاکستان سے کہیں زیادہ خوفناک اور افسوسناک تسلسل سے ہونے والے واقعات کے باوجود کوئی عملی اور قانونی تحفظات فراہم نہیں کئے گئے۔ شاید ہندو مذہب کی اقلیتوں سے متعلق یہی تعلیم ہو اگرچہ پاکستان میں اسلامی قانون نافذ نہیں تاہم پھر بھی اقلیتوں کے معاملات میں حکومت اور عوام نے ہمیشہ مثالی، انسانی اور اسلامی تعلیمات کی اصل روح کا اظہار کیا ہے۔

معاشرتی تعلقات:

معاشرہ انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ انسان طبعی اور جبلی طور پر معاشرت پسند ہے اپنے اس فطری اور جبلی تقاضوں کی تکمیل کیلئے انسان نے معاشرہ تشکیل دیا۔ پاکستانی معاشرہ اسلام کی بنیادی تعلیمات، اخوت، رواداری اور شرف انسانی کی بنیاد پر قائم ہے۔ اسی لئے جہاں پاکستان میں تمام اقلیتوں کے حقوق اور تحفظات کا احترام کیا جاتا ہے وہاں عیسائی برادری جو پاکستان کی بہت بڑی اقلیت ہے اس کے ساتھ پاکستانی مسلمانوں کے خوشگوار معاشرتی تعلقات قائم ہیں۔

اسلام غیر مسلموں کے ساتھ معاشرتی تعلقات استوار کرنے میں حربی اور غیر حربی کافر میں فرق کرتا ہے۔ حربی کافر کے ساتھ روابط قائم رکھنے کی تو ممانعت ہے کیونکہ یہ کبھی مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہوسکتے۔ اور موقع سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ لیکن غیر حربی کافر جو مسلمانوں کے خلاف عداوت کے جذبات نہ رکھیں ان کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی ہے۔ اسلام کی تاریخ میں ایسے لاتعداد واقعات ملتے ہیں جن میں مسلمانوں نے غیر مسلموں کے ساتھ مساوات اور رواداری کی روش کو اپنایا اور محض مذہب کی بنیاد پر کوئی امتیاز روا نہیں رکھا۔

اہل کتاب کی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح جائز قرار دیا گیا یہ اجازت بھی ان کے ساتھ تعلقات قائم کرنے پر مبنی ہے۔ تاکہ مسلم معاشرے میں، غیر مسلم اچھوت بن کر نہ رہیں۔ بلکہ مسلمانوں کے ساتھ تعاون اور محبت رکھیں۔

یہ اسلام کا حسن سلوک اور رواداری ہے حالانکہ خود مختلف مسیحی فرقے باہم ازدواجی تعلق قائم نہیں کرتے اور پروٹسٹنٹ اور کیتھولک فرقوں میں باہم شادیاں نہیں ہوتیں۔ (15)

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

والمحصنت من الذين اوتوا الكتب من قبلكم اذآ اتيتموهن اجورهن محصنين غير مسفحين ولا متخذى اخدان ○ (16)

''اور ان لوگوں کی پارسا عورتیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی جاچکی ہے (حلال ہیں) بشرطیکہ اُنکے مہر ان کے حوالے کردو اور مقصود قید (نکاح) میں لانا ہو نہ کہ کھلم کھلا بدکاری کرنے یا چوری چھپے آشنائیاں کرنے کا۔''

مندرجہ بالا آیت کی تشریح میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

''اہل کتاب کی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح جائز اور مسلمان عورتوں سے اہل کتاب کا نکاح ناجائز ہونے کی بنیاد کسی احساس برتری پر نہیں ہے بلکہ یہ ایک نفسیاتی حقیقت پر مبنی ہے مرد بالعموم متاثر کم ہوتا ہے اور اثر زیادہ ڈالتا ہے عورت بالعموم متاثر زیادہ ہوتی ہے اور اثر کم ڈالتی ہے۔ ایک غیر مسلم اگر کسی مسلمان کے نکاح میں آئے تو اس کا امکان کم ہوتا ہے کہ وہ اس مسلمان کو غیر مسلم بنالے گی اور اس بات کا زیادہ امکان ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیگی۔ لیکن اگر ایک مسلمان عورت کسی غیر مسلم کے نکاح میں چلی

جائے تو اس کے غیر مسلم ہو جانے کا اندیشہ بہت زیادہ ہوتا ہے اور اس بات کی توقع بہت کم ہے کہ وہ اپنے شوہر اور اپنی اولاد کو مسلمان بنا سکے گی۔"

اسی لئے مسلمانوں کو اس کی اجازت نہیں دی گئی کہ وہ اپنی لڑکیوں کا نکاح غیر مسلم سے کریں۔ البتہ اگر اہل کتاب میں سے کوئی شخص خود اپنی بیٹی مسلمان کو دینے پر راضی ہو تو مسلمان نکاح کر سکتا ہے۔

لیکن قرآن میں جہاں اس کی اجازت دی گئی ہے وہاں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر غیر مسلم بیوی کی صحبت میں مبتلا ہو کر تم نے ایمان کھو دیا تو تمہارا کیا کرایا سب برباد ہو جائے گا اور آخرت میں تم خسارے میں رہو گے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے دیگر مذاہب کے مقابلے میں نصاریٰ کے ساتھ شروع سے ہی مسلمانوں کے مذہبی اور تاریخی تعلقات قائم ہیں اس بناء پر معاشرتی سطح پر نصاریٰ کے ساتھ مسلمان مردوں کی شادی کی وجہ سے اسلام اور عیسائیت کو معاشرتی طور پر ایک دوسرے کے اور قریب کر دیتا ہے اس طرح دونوں مذاہب کو ایک دوسرے کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

اسلام کی اس اجازت کی بناء پر عیسائیوں کے ساتھ مسلمانوں کے خوشگوار معاشرتی تعلقات قائم ہوتے ہیں اس سے دو مذاہب مزید قریب آ جاتے ہیں اور اس قربت کی بناء پر دونوں مذاہب کے درمیان منافرتوں کا خاتمہ ہوتا ہے یہ ایک طرف اشاعت اسلام کا ذریعہ ہے تو دوسری طرف دیگر مذاہب کے ساتھ اسلام کی غیر متعصب تعلیم کی عکاسی کرتا ہے۔ پاکستانی معاشرہ میں بھی مسلمان مردوں کی شادی عیسائی عورتوں کے ساتھ کرنے میں کوئی پابندی نہیں۔ مختلف خاندانوں میں اس کی مثالیں موجود ہیں اور شادی کے بعد دونوں خاندانوں کے اچھے تعلقات قائم ہونے کے امکانات کی عملی مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں۔

اس کے برعکس دنیا کے کسی مذہب نے دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ اس قدر وسیع اور اہم تعلقات قائم کرنے کی اجازت نہیں دی جس قدر اسلام نے اس پر زور دیا ہے یہ تعلیمات عیسائیوں کے ساتھ خوشگوار تعلقات کی بنیاد ہے تاہم قرآن حکیم نے جہاں عیسائیوں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے اور ان سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے وہاں اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ اسلامی تشخص، ثقافت اور تہذیب کو بھی بہر حال قائم رکھا جائے ان تعلقات کا مقصد دونوں مذاہب کو ایک دوسرے میں ضم کرنا نہیں بلکہ ان معاشرتی تعلقات کا اصل مقصد پُر امن بقائے باہمی کی بنیاد پر مذہبی تعصبات کو ختم کرنا اور اسلامی تعلیمات اور انسانی شرف ومنزلت کو فروغ دینا ہے۔

اسلام میں غیر مسلموں میں سے صرف اہل کتاب کا ذبیحہ حلال قرار دیا گیا ہے یہ اجازت اس لئے دی گئی ہے کہ اہل کتاب اور مسلمانوں کے درمیان خلیج بڑھتی نہ جائے اور نفرتیں اور غلط فہمیاں پیدا نہ ہوں۔ اگر ایک حد تک ان لوگوں کے ساتھ تعلقات موجود ہوں گے تو ہم انہیں اپنے حسن کردار سے اپنے قریب کر سکیں گے۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی تحریر فرماتے ہیں:

اہل کتاب اصلاً توحید کے قائل ہیں، لیکن چونکہ ان کے اندر شرک داخل ہو گیا ہے اس لئے مسلمان یہ گمان کر سکتے ہیں کہ ان کے ساتھ بھی بت پرستوں کی طرح کا معاملہ کیا جا سکتا ہے لیکن اللہ نے ان کے ساتھ کھانے کی اجازت دے دی ہے۔ (17)

چنانچہ فرمایا:

الیوم أحل لکم الطیبٰت وطعام الذین اوتوا الکتٰب حل لکم وطعامکم حل لھم٥ (18)

"آج تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں اور جو اہل کتاب ہیں ان کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کیلئے حلال ہے۔"

اسلام نے کھانے کے معاملات میں مشرکین عرب کے ساتھ سخت رویہ اختیار کیا لیکن اہل کتاب کے ساتھ نرمی برتی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اہل کتاب وحی نبوت اور من جملہ اصول دین کو مانتے ہیں اس بناء پر وہ اہل ایمان سے قریب تر ہیں۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق عیسائیوں کا ذبیحہ کھانا جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ حلال جانور ہو اور شریعت کے مطابق ذبح کیا گیا ہو۔ کھانا پینا انسان کی بنیادی ضرورت ہے اور دن میں دو تین مرتبہ انسان حسب ضرورت کھانا کھاتا ہے۔ دستر خوان دلوں کو جوڑنے اور آپس میں محبت پیدا کرنے کا ایک ایسا ذریعہ ہے کہ جہاں خوشگوار لمحات خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس بنیاد پر عیسائیوں کے ساتھ کھانے پینے کی اجازت سے یہ بات خود بخود ثابت ہوتی ہے کہ اسلامی تعلیمات کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ عیسائیوں کے ساتھ خوشگوار معاشرتی تعلقات قائم ہوں یہ تعلقات دونوں مذاہب کو ایک دوسرے کے قریب کرنے کا ذریعہ ہیں۔

پاکستانی معاشرے میں اس کی عملی مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ مثلاً شادی بیاہ کے موقعوں پر مسلمان اور عیسائی ایک دوسرے کی خوشیوں میں شریک ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں اس کے علاوہ دیگر سرکاری و غیر سرکاری تقریبات میں مسلمان عیسائیوں کے ساتھ کھانا کھانے میں کوئی عار نہیں سمجھتے۔

اسلام میں وسعت، رواداری، انسانی احترام کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اسلام نے صلہ رحمی پر بہت زور دیا ہے۔ صلہ رحمی کا مطلب مسلم رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا ہے لیکن اس کے مفہوم میں پوری انسانی برادری شامل ہے۔ عیسائیت دیگر مذاہب کے مقابلے میں نسبتاً اسلام کے زیادہ قریب ہے اسکی بہت سی مثالیں آغاز میں گزر چکی ہیں۔ چنانچہ باہمی کھانے پینے کی اجازت سے باہمی میل جول میں اضافہ ہوتا ہے۔ دلوں کی کدورتیں دور ہوتی ہیں ایک دوسرے کا احساس اور احترام پیدا ہوتا ہے۔

تبادلہ تحائف:

تحائف کا تبادلہ بنیادی اخلاقی اقدار کا حصہ ہے یہ ایک ایسا معاشرتی عمل ہے جو افراد کے مابین اچھے اور تعمیری تعلقات قائم کرنے اور قائم رکھنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے اور معاشرے میں خوشگوار اور تعمیری ماحول پیدا کرتا ہے اسلام نے غیر حربی کفار سے تحائف کا تبادلہ کرنے سے منع نہیں کیا خود حضور ﷺ نے اکیدر نامی شخص کا تحفہ قبول فرمالیا تھا حالانکہ وہ مشرک تھا۔ (19)

جب غیر حربی مشرک کا تحفہ قابل قبول ہو سکتا ہے تو عیسائی برادری جو دوسرے مذاہب کی نسبت اسلام کے زیادہ قریب ہے اس کے ساتھ تبادلہ تحائف میں شرعاً اخلاقاً کوئی ممانعت نہیں پاکستانی معاشرے میں اسکی عملی مثالیں موجود ہیں مثلاً ایسٹر، کرسمس، عید الفطر اور دوسرے مسلم عیسائی تہواروں کے موقعوں پر مسلم عیسائی برادری باہم تحائف کا تبادلہ کرتے ہیں۔ حکومت بھی ان موقعوں پر عیسائی برادری کو خصوصی الاؤنس دیتی ہے یہ تمام حقائق اچھے معاشرتی تعلقات کی عکاسی کرتے ہیں۔

معاشرتی مدد و عیادت:

معاشرے کی بنیادی روح باہم مل جل کر رہنا اور ایک دوسرے کی مدد کرنا ہے۔ حضور ﷺ نے بھی ہجرت کے سفر میں عبداللہ بن اریقط الدیلی سے راستہ معلوم کرنے کیلئے ساتھ رکھا حالانکہ وہ غیر مسلم تھا(20)

اس مثال سے ثابت ہوتا ہے کہ خالصتاً انسانی اور معاشرتی معاملات میں مسلم اور غیر مسلم ایک دوسرے کی راہنمائی کرسکتے ہیں۔ اسلام میں وسعت اور رواداری کی تعلیم دی گئی ہے۔ صرف مذہب کی بناء پر تعلقات ختم کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ غیر مسلموں سے حسن سلوک کرتے اور اچھے اخلاق سے پیش آتے حتیٰ کہ آپ ﷺ کفار کی بھی عیادت کرتے تھے۔

اس حدیث کی راہنمائی میں غیر مسلموں سے اچھے انسانی تعلقات قائم رکھنے کی تعلیم ملتی ہے یہی پاکیزہ تعلیمات پاکستان میں مسلم عیسائی عوام کے مابین اچھے معاشرتی روابط قائم کرنے کی بنیاد ہیں۔

فوتیدگی پر اظہار تعزیت:

اسلام دین انسانیت ہے اس لئے کسی غیر مسلم کی موت پر بھی اظہار مسرت کی اجازت نہیں دیتا۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ ایک جنازے کو دیکھ کر کھڑے ہوئے صحابہ نے عرض کیا یہ یہودی کا جنازہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا وہ انسان نہیں تھا؟(21)

اسلامی تعلیمات کے مطابق کسی غیر مسلم کیلئے دعائے مغفرت نہیں کی جاسکتی اس کی موت کی مذہبی رسومات میں حصہ لئے بغیر شامل ہونا جائز ہے۔ پاکستان میں بھی مسلم عیسائی عوام زندگی کے پُر مسرت لمحات میں شرکت کے ساتھ ساتھ موت کے المناک موقعوں پر بھی اکٹھے ہوتے ہیں۔ اظہار تعزیت کرتے ہیں اگرچہ اختلاف مذہب کی بناء پر جنازے کی مذہبی رسومات میں تو شامل نہیں ہوتے تاہم ایسے موقع پر ایک دوسرے کو تنہا بھی نہیں چھوڑتے۔ زندگی اور موت کے ان معاملات میں پاکستانی مسلم اور عیسائی برادری کی باہمی شرکت، دونوں کے درمیان اچھے تعمیری اور خوشگوار انسانی معاشرتی تعلقات کا باعث ہیں۔

معاشی تعلقات:

پاکستان کے مسلم عوام جس طرح مذہبی اور معاشرتی سطح پر عیسائیوں کے ساتھ خوشگوار تعلقات رکھتے ہیں۔ سی طرح معاشی شعبے میں بھی پاکستانی مسلم عیسائی تعلقات اور روابط پُر امن بقائے باہمی کے اصولوں پر قائم ہیں اگرچہ دولت کے کسب و صرف کے متعلق اسلام اور عیسائیت کے مابین اصولی اور بنیادی فرق پایا جاتا ہے تاہم دونوں مذاہب کے درمیان معاشی سطح پر جو مشترک اقدار ہیں ان بنیادوں پر پاکستانی مسلم اکثریت کے عیسائی اقلیت کے ساتھ معاشی تعاون کی مثالیں موجود ہیں اور یہ تعاون اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قل یا اھل الکتب تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا و بینکم(22)

''تو کہہ اے اہل کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو برابر ہے ہم میں اور تم میں۔''

معاشی تعلقات کے سلسلے میں اہم نکات درج ذیل ہیں۔

(1) مسلم بازاروں میں عیسائی برادری پر خرید و فروخت کی کوئی پابندی نہیں۔ حتیٰ کہ پاکستان میں مسلم و غیر مسلم بازاروں کا تصور ہی نہیں پایا جاتا دونوں فریقوں کو آزادانہ میل جول کا حق حاصل ہے کسی بھی شے کی خرید و فروخت کے ابتدائی معاملے سے لیکر سودے طے ہونے تک مسلمان اور عیسائیوں کے درمیان کوئی مذہبی تفریق نہیں کی جاتی۔

(2) پاکستان میں عیسائیوں کو ہر طرح کے کاروبار کی اجازت ہے بشرطیکہ وہ محرمات مثلاً شراب، خنزیر، سود اور دیگر ممنوعات سے اجتناب کریں۔ البتہ انہیں اپنے علاقوں میں اس قسم کے کاروبار کے علیحدہ پرمٹ جاری ہوتے ہیں۔

(3) پاکستان سٹاک ایکسچینج میں جو بین الاقوامی سطح پر کاروبار کیا جاتا ہے وہاں بھی آئین کی رو سے عیسائیوں پر کاروبار کرنے کی کوئی پابندی نہیں اس طرح بیرون ملک تجارتی، صنعتی، زرعی شعبوں سے متعلق جو وفود روانہ ہوتے ہیں ان میں بھی عیسائی برادری کے تحفظات کو یقینی بنایا جاتا ہے۔ دونوں مذاہب کے درمیان ہر قسم کے معاشی تعلقات پاکستان کے شہری ہونے کی بنیاد پر قائم ہیں۔ معاشی زندگی کا ایک اور اہم شعبہ زرعی پیداوار سے وابستہ ہے چنانچہ زرعی زمینوں کی خرید و فروخت انتقال اراضی جیسے کسی بھی کام میں عیسائیوں پر کوئی پابندی عائد نہیں اسکی عملی مثالیں پاکستان میں جا بجا دیکھی جاسکتی ہیں۔ معاشی اور کاروباری زندگی کے ٹیکس کی ادائیگی کے حوالے سے بھی عیسائیوں کے ساتھ کوئی ناروا سلوک نہیں کیا جاتا۔ عام پاکستانی شہری ہونے کے ناطے وہ انہی قوانین کے پابند ہیں۔ جو پاکستان کی مسلم عوام کیلئے بنائے گئے ہیں اسی طرح معاشی زندگی میں انتقال جائیداد کا شعبہ بہت نازک اور اہم ہے اس میدان میں بھی عیسائی برادری کو جائیداد کی خرید و فروخت اور اسکے ہبہ و انتقال میں قانون کے مطابق مکمل آزادی ہے اس شعبہ میں مسلم عیسائی فرق روا نہیں رکھا جاتا۔

(4) اسلام میں مذہب کی بنیاد پر کسی غیر مذہب کے افراد سے تعصب نہیں برتا گیا۔ بلکہ ہمدردی اور احسان کی روش اپنانے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اسی بناء پر پاکستان میں مستحق عیسائیوں کی حکومت اور عوام کی طرف سے مالی اعانت بھی کی جاتی ہے۔

(5) پاکستانی عوام عیسائیوں کے ساتھ ذاتی ضرورت کے تحت قرض کا لین دین بھی کرتی ہے۔ اس سلسلے میں قاضی محمد سلمان نے آپ ﷺ کے ساتھ قرض کے لین دین کے بارے میں ایک واقعہ درج کیا ہے۔

''ایک بدو سے آپ ﷺ نے قرض لیا۔ اس نے بدویانہ طرز گفتگو کر کے نہایت سختی سے مطالبہ کیا صحابہ کرامؓ نے اسے ڈانٹا کہ کس ہستی سے بات کر رہے ہو اس نے کہا میں تو اپنا حق لینے آیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگوں کو اس کا ساتھ دینا چاہیے تھا یہ تو اپنا حق لینے آیا ہے اور حق لینے والے کو بولنے کا حق ہے۔'' پھر صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ اسکا قرض ادا کریں اور زیادہ بھی دیں۔''(23)

دونوں مذاہب میں اگرچہ کفر و اسلام کا فرق پایا جاتا ہے لیکن اسکے باوجود پاکستان میں عیسائی مسلم خوشگوار تعلقات اس

بات کی واضح مثال ہے کہ اسلام ایک غیر متعصب مذہب ہے اس میں تنگ نظری مذہبی معصیت کی بجائے وحدت نسل انسانی کی وسیع بنیادیں پائی جاتی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالاً کثیراً ونسآءً ؒ(24)

''اے لوگو ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے اور اسی سے پیدا کیا اس کا جوڑا اور پھیلائے ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں۔''

وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدونؒ(25)

''نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔''

یہ وہ بنیادی تعلیمات ہیں جن کی راہنمائی کی بدولت دونوں مذاہب میں انسانی اور پاکستانی بنیادوں پر بہترین اور پُر امن تعلقات موجود ہیں۔ پاکستان میں مسلم عیسائی خوشگوار تعلقات کا ایک طویل پس منظر ہے۔ ان تعلقات کے قیام و بقاء کا اصل سہرا مسلمانوں کے سر ہے۔ کیونکہ یہ ایک قطعی اور اٹل تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے دور عروج میں ہمیشہ عیسائی برادری کو ہر طرح کے تحفظات میسر رہے ہیں لیکن یہ تلخ تاریخی حقیقت بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ جب بھی عیسائیوں کو مسلمانوں پر غلبہ حاصل ہوا انہوں نے مسلمانوں کا بے دریغ قتل کیا اور ان کی عزتیں لوٹیں اس کی مثالیں صلیبی جنگوں اور سقوط غرناطہ کے واقعات میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ تاہم مسلم حکومتوں اور عوام نے ہمیشہ عیسائیوں کے بنیادی انسانی حقوق کا احترام کیا انکی اصل وجہ وہ پاکیزہ قرآنی تعلیمات ہیں جو شروع دن سے ہی مسلمانوں کو عطا کی گئیں ان تعلیمات کی بنیاد درج ذیل قرآنی آیات پر ہے۔

ورھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبنھا علیھم الا ابتغآء رضوان اللہ فما رعوھا حق رعایتھا فاتینا الذین امنوا منھم اجرھم وکثیر منھم فسقونؒ(26)

''یہ رہبانیت کہ جس کا انہوں نے آغاز کیا ہم نے اسے ان پر لازم نہیں کیا تھا انہوں نے خود اللہ تعالیٰ کی رضامندی کیلئے اس کا آغاز کیا اور پھر جیسا کہ اس کا حق تھا اسے بھی ادا نہ کیا ان میں سے جو لوگ ایمان لائے انہیں ہم نے اجر دیا لیکن انکی اکثریت نافرمان ہے۔''

قل یاھل الکتب تعالوا الی کلمۃ سوآءٍ بیننا وبینکمؒ(27)

''تو کہہ اے اہل کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو برابر ہے ہم میں اور تم میں۔''

یہ پاکیزہ تعلیمات اور تاریخی شواہد اس حقیقت پر گواہ ہیں کہ مختلف تاریخی ادوار کی طرح پاکستان میں عیسائیوں کے ساتھ مسلمانوں کے خوشگوار تعلقات بھی اس تاریخی عمل کا حصہ ہیں جن کا تفصیلی ذکر سطور بالا میں کیا گیا ہے۔

پاکستان ایک اسلامی نظریاتی ملک ہونے کے ناطے سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر عیسائی برادری کے تحفظ و بقاء کیلئے تمام ممکنہ اقدامات کر رہا ہے کیونکہ تحریک پاکستان کے دوران بانیان پاکستان کے پیش نظر یہی نصب العین تھا کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق ریاست پاکستان میں احترام انسانیت کو فروغ دیا جائیگا۔

اسی لئے پاکستانی مسلمانوں اور حکومت نے عیسائیوں کے مذہبی، جانی اور مالی حقوق کے تحفظ پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اسلامی رواداری اور وسعت قلب کا مظاہرہ کرتے ہوئے عیسائیوں کو انکی صلاحیت و قابلیت کے لحاظ سے معاشرہ میں معزز جگہ دی ہے اور بلا امتیاز مذہب اخوت و مساوات کے فلسفے کے تحت ہر فرد کو ترقی کے مساوی مواقع فراہم کئے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ 1947ء سے آج تک پاکستانی مسلمانوں کے اپنے فرقے تو کبھی کبھار دست و گریبان ہو جاتے ہیں لیکن چشم فلک نے آج تک نہیں دیکھا ہوگا کہ کسی پاکستانی مسلمان یا حکومت نے انفرادی یا اجتماعی سطح پر کسی عیسائی کو ستایا ہو یا املاک و عبادت گاہوں کو نقصان پہنچایا ہو۔ دراصل یہ کمال پاکستانی مسلمانوں کا نہیں بلکہ یہ فیض قرآن پاک کی پاکیزہ تعلیمات سرورکونین ﷺ کے اسوہ حسنہ اور آپ ﷺ کے سچے پیروکاروں کا ہے۔

مصادر و حواشی

(1) کاندھلوی، محمد ادریس، سیرۃ المصطفیٰ ﷺ، دارالکتب دیوبند، جلد اول، ص 88، س ن
(2) ایضاً، ص 141
(3) مودودی، ابوالاعلیٰ، انسانیت قرآن کی روشنی میں، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، 1985ء، ص 175
(4) الروم، 4:30
(5) حمید اللہ، ڈاکٹر، اسلام اور مسیحیت کے باہمی روابط، (مترجم) شیر بیگ دہلوی، سہ ماہی رسالہ عالم اسلام اور عیسائیت، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز اسلام آباد، جولائی تا ستمبر 1998ء، ص 11
(6) مودودی، ابوالاعلیٰ، انسانیت قرآن کی روشنی میں، ص 177
(7) آزاد، عبدالقادر، ڈاکٹر، سیرت الرسول ﷺ کی روشنی میں اقلیتوں سے رواداری، بحوالہ ''قرآن وسنت کی روشنی میں اقلیتوں کے حقوق'' مؤلف گل، سرور مسیح، جگی میڈیا فاؤنڈیشن کمن آباد لاہور، 2000ء، ص 54
(8) المائدہ، 83-82:5
(9) الکہف، 13:18
(10) الصف، 14:61
(11) البروج، 85: 4 - 7
(12) صدیقی، محمد نور رضا، ڈاکٹر، پاکستان میں مسیحیت، مسلم اکیڈمی محمد نگر، علامہ اقبال روڈ لاہور، ص 320
(13) الحج، 40:22
(14) دوینگ، مغل، سہ ماہی رسالہ المشیر، کرسچن سٹڈی سنٹر پنڈی، 1996ء، ص 260
(15) سید قطب شہید، فی ظلال القرآن، اسلامی اکادمی، 17 اردو بازار لاہور، 1989ء، جلد دوم، ص 478